جون2020

28

ماہنامہ

ولی اللہ

ارمغان

گوشہ خاص:

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب



₹ 25/-

ARMUGHAN, PHULAT
Muzaffar Nagar-251201 (U.P.)

پھلت ضلع مظفر نگر (یوپی)
www.armughan.net

ماہنامہ

ارمغان

ولی اللہ

جلد ۲۸ شمارہ ۶ جون ۲۰۲۰ء مطابق شوّال ۱۴۴۱ھ

سر پرست :
حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی

مدیر
وصی سلیمان ندوی

مجلس مشاورت
☆ مولانا محمد طاھر ندوی
☆ مولانا محمد اقبال قاسمی
☆ مفتی محمد ھارون مظاھری

پتہ
دفتر ارمغان
پُھلت ضلع مظفر نگر
Phulat, Distt. Muzaffar Nagar
251201 (U.P.) INDIA
Mob : +91-7060450315
9359774316 , 9412411876
e-mail : arm313@gmail.com
armuganphulat@yahoo.com
Website: www.armughan.net

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں
ہر قسم کی چارہ جوئی کیلئے مظفر نگر کی عدالت سے رجوع کیا جائے

سرکولیشن انچارج: محمّد حنیف قاسمی
سرکولیشن منیجر : عبدالقدیر انصاری
مشیر اعزازی: ایوب بھائی بارڈولی والے

چیف رپورٹر : محمد ادریس قریشی
مشیر قانونی : امجد علی ایڈوکیٹ
موبائیل : 9897354040

زرتعاون

❖ فی شمارہ 25روپے ❖ سالانہ 300روپے ❖ سالانہ رجسٹرڈ ڈاک سے 500روپے
❖ اعزازی تعاون 1000روپے ❖ بیرونی ممالک سے 30امریکی ڈالر ❖ لائف ممبر شپ 8000روپے (برائے ۲۰ سال)

پرنٹر پبلشر محمد ادریس قریشی نے ڈیلکس پریس راج مارکیٹ مظفرنگر سے چھپوا کر جمعیت شاہ ولی اللہ کیلئے پھلت ضلع مظفرنگر سے شائع کیا
(مدیر: وصی سلیمان ندوی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری کی مدت **جون** سے ختم ہورہی ہے، رسالہ کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دفتر کو اطلاع دیں یا فوراً رقم ارسال فرمائیں۔

اداریہ

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری کی یاد میں قلم کے چند آنسو

گذشتہ کچھ عرصہ میں ملت اسلامیہ کوئی اہم شخصیات سے محرومی کا داغ سہنا پڑا، اوران کی جدائی پرآنسو بہائے گئے، ان میں ہر علم وفن ،اوردینی خدمت سے وابستہ ہر میدان کے لوگ شامل تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے تسبیح کی کوئی لڑی ٹوٹ گئی ہو، اوراس کے دانے ادھر ادھر بکھرتے چلے جارہے ہوں، ان میں سے کچھ شخصیات اتنی بڑی تھیں کہ ان پر پوری دنیا میں صف ماتم بچھائی گئی، تعزیتی جلسے ہوئے، تأثرات کا اظہار کیا گیا، مضامین نو کے انبار لگائے گئے، اور پوری ملت نے ان کا خلا محسوس کیا۔صرف لاک ڈاؤن کے دوران جولوگ اس دنیا سے رخصت ہوئے ان میں آسمان علم کے جیسے کچھ آفتاب و ماہتاب شامل تھے، اس کا اندازہ اس مختصر فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کاکوسی ممبئی، شیخ الحدیث حضرت مولانا وسیم احمد سنسار پوری گنگوہی، حضرت مولانا عبدالرحیم فلاحی، حضرت شیخ سرفراز صفدر صاحب، مولانا احمد حسین پٹنی احمد آبادی، مبلغ اسلام مولانا ابوالکلام قاسمی، حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود وغیرہ، ان سب کی دینی خدمات اور علمی کارنامے ایسے ہیں جو مدتوں تک یادرکھے جائیں گے۔

لیکن ۲۵ ؍رمضان المبارک کی صبح کو حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کی شکل میں جس شخصیت نے سفر آخرت اختیار کیا، وہ اپنی جامعیت، بوقلمونی، گوناگوں صفات اور خصوصیات کے باعث فخر دارالعلوم، فخر ہندوستان، فخر علمائے اسلام، فخر مدارس، اور فخر علوم اسلامیہ تھی، وہ بیک وقت مدرس، مقرر، خطیب، مصنف، شارح، ترجمان، داعی، مبلغ اور مجسم انسانیت تھے۔درجنوں تصنیفات، سیکڑوں مضامین، ہزاروں تلامذہ اور لاکھوں محبین کی وجہ سے ان کا حادثہ وفات اورزیادہ سوحان روح، اور درد انگیز ہے، وہ اللہ کے دربار سے جوعمر دراز مانگ کے لائے تھے، وہ اسّی برس کے ماہ وسال پر محیط ہے، لیکن اتنی لمبی عمر میں بھی سب کی خواہش یہی تھی یہ عمر کچھ اور دارز ہوتی، اور دنیا ان کے کمالات سے مزید فیض یاب ہوتی۔

ان کی شخصیت اس قدر عظیم اور بافیض تھی کہ اگر کورونا کی عالمی وبا کے سبب قید وبند کی سی حالت نہ ہوتی، تو شاید اس عاشق حدیث کے جنازہ میں اتنی دھوم ہوتی کہ کاندھا دینے کے لئے علاقے کے علاقے ٹوٹ پڑتے، اور عاشقوں کا اتنا ہجوم ہوتا کہ سنبھالنا مشکل ہوجاتا ان کی تدفین میں دس پندرہ آدمیوں کی مختصر موجودگی کے باوجود، یقین کامل ہے کہ رمضان المبارک کے جود وعطا کے موسم میں اُس دنیا میں بھی ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا ہوگا، جس طرح اِس دنیا میں ہر فرد مغموم اور ہر آنکھ اشک بار ہے۔

مفتی صاحب کی عظمت کا بڑا راز یہ ہے کہ وہ علمائے متقدمین کی طرح، علم وافادہ کے ہر میدان کے شہ سوار تھے، اور ہر علم وفن پر ماہرانہ دسترس رکھتے تھے، فن حدیث میں ان کا عظمت کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہمارے سب سے بڑے تعلیمی ادارہ کے شیخ الحدیث تھے، فقہ اسلامی میں ان کی بزرگی کی دلیل یہ ہے کہ وہاں کے دارالافتاء میں وہ مشکل اور اہم ترین فتاویٰ کے جواب لکھتے تھے۔اس کے علاوہ منطق ،فلسفہ، نحو وصرف اور اصول حدیث واصول تفسیر کے موضوع پر ان کی بہت سی شاہ کار تصنیفات موجود ہیں، جس کی وجہ سے ان کے فیض کا دریا ان کے بعد بھی مدتوں تک جاری رہے گا۔علوم اسلامیہ کی تدریس کے میدان میں ان کی استادی مسلم تھی، اور ہر دور کے فضلائے دیوبندان

کویگانہ روزگار، اور ماہرفن استاد تسلیم کرتے ہیں۔تقریر وخطابت کے میدان میں بھی ان کی عظمت مسلم تھی،اگرچہ علمی مشغولیات کے باعث وہ ہر چھوٹے بڑے جلسہ میں شریک نہیں ہوتے تھے،لیکن ملت کے کسی بھی حساس مسئلہ پر ہونے والی مجلسوں میں وہ اپنی تقریر کا جادو جگاتے تھے،اور تفہیم کی بے پناہ صلاحیت سے اس کا حق ادا کر دیتے تھے۔اسی طرح تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی ان کی شرکت محض برائے نام نہ تھی، بلکہ ان کی علمی وکلامی تصنیفات ومقالات کے باعث انھیں فکر نانوتوی کا شارح اور علوم ولی اللہی کا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔

وہ مختلف الجہات صلاحیتوں اور مختلف علوم وفنون کی مہارتوں کے حامل تھے،ان کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی شخصیت کتنی عبقری تھی،تفسیر میں ہدایت القرآن (۸؍جلدیں) اصول تفسیر میں الفوز الکبیر کی تعریب اور اس کی عربی شرح العون الکبیر،اصول حدیث میں نخبہ کی اردو شرح تحفۃ الدرر،مقدمہ مسلم کی اردو شرح فیض المنعم ،شروح حدیث میں بخاری کی اردو شرح تحفۃ القاری،ترمذی کی اردو شرح تحفۃ الالمعی ،شرح معانی الآثار کی عربی تلخیص زبدۃ الطحاوی،اصول افتا میں شرح عقود رسم المفتی کی شرح ''آپ فتوی کیسے دیں؟'' اسرار شریعت میں حجۃ اللہ البالغۃ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ،منطق میں آسان منطق ،تہذیب المنطق کی شرح مفتاح التہذیب،فلسفہ میں مبادی الفلسفہ اور اس کی اردو شرح معین الفلسفہ،اسماء رجال میں المغنی کی عربی شرح تہذیب المغنی،نحو میں آسان نحو اور صرف میں آسان صرف وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔

قریۃ الصالحین پھلت سے،اور ہماری دینی دعوتی تحریک سے،مفتی صاحب کا تعلق بہت مضبوط تھا،اور اس تعلق کو جس طرح ساری زندگی، ہر سرد وگرم موقع پر وہ نباہتے رہے، وہ ایک مثال ہے،حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شہرہ آفاق تصنیفی کارنامہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' اپنے اعلی اسلوب، بلند علمی مضامین ،اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بے مثال کتاب سمجھی جاتی رہی ہے،اور مدارس کی دنیا میں اس کی تدریس ایک بڑا شرف سمجھا جاتا ہے،موجودہ دور میں اس سے پوری طرح استفادہ کرنے کے لئے مفتی صاحب نے اس کی بہت تفصیلی شرح لکھی ،اور اس کتاب کے ماہر فن اساتذہ کی مدتوں سے سینہ بسینہ چلی آرہی کتنی ہی بحثوں کو محفوظ کر دیا، جو پانچ ضخیم جلدوں میں رحمۃ اللہ الواسعۃ کے نام سے شائع ہوئی، پھر کامل برہان الہی کے نام سے اس کی علمی ابحاث کو الگ سے شائع کرکے اس کا دائرہ مزید پھیلا دیا،اور اس کتاب پر تیسرا قابل قدر کام یہ فرمایا کہ بہت دقیق نظر سے اس کا اصل عربی متن مرتب کیا، پیراگراف بنائے ،حسب ضرورت عربی میں حواشی تحریر کئے ،اور اس طرح اس عالمی کتاب کو ایک نئی زندگی دینے کا سامان کر دیا۔علوم ولی اللہی سے بے پناہ شغف کے باوجود گذشتہ ڈھائی سوسالو ں میں یہ کام قرض چلا آرہا تھا مفتی صاحب نے اسے ادا کیا،اس کتاب پر ان کا یہ کام اگر حرف آخر نہیں تو کم از کم اب تک کا سب بہتر کام ضرور ہے۔

اس کے علاوہ وہ ہمارے دعوتی مشن کے سب سے بڑے حامی ،اور مؤید تھے،اور ہر معرکہ سخت میں ہمارے ساتھ کھڑے رہنے کے لئے تیار رہتے تھے،انھوں نے تحریروں کے ذریعہ بھی اس مشن کی تائید فرمائی،اور دوران درس پورے شرح صدر کے ساتھ برادران وطن میں دعوت کے کام کو،اور ہمارے دعوتی مشن کو تقویت پہنچاتے رہے،اس دور قحط الرجال میں ہماری تحریک کے لئے ان کی شخصیت ایک سایہ دار شجر کی تھی،جس کے گر جانے سے ہم سب نے اپنے سینوں اور دلوں پر بڑی محرومی کا احساس کیا ہے۔

ماہنامہ ارمغان کا حق تھا کہ وہ اپنے اس عظیم محسن کو خراج عقیدت پیش کرے،اور ان کی تابناک زندگی کو شائع کرکے اپنے لئے سرخ روئی کا سامان کرے۔ارمغان کا یہ تازہ شمارہ مفتی صاحب کے ساتھ ہمارے اس جذبہ احسان مندی کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہے۔

وصی سلیمان ندوی

چلا گیا وہ اُجالے سمیٹ کر اپنے

تحریک ارمغان کے ایک سرپرست اور محسن حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری کا حادثہ وفات

مولانا محمد کلیم صدیقی

فی الحقیقت ام المدارس دارالعلوم دیوبند نے اپنی تاسیس سے لے کر آج تک برصغیر کے مسلمانوں کی جو علمی، دعوتی، اصلاحی اور سیاسی خدمت اور قیادت کی ہے، اور خالق کائنات علی کل شئی قدیر نے دارالعلوم کے بانیین اور شروع سے لے کر اس کی انتظامی اور تدریسی خدمات پر مامور موفق من اللہ علماء، مشاہیر اور ربانی مقتدایان کے اخلاص کی وجہ سے، اس ادارہ اور اس سے وابستہ اور فارغین کی خدمات میں جو برکت و مقبولیت رکھی ہے، اس سے واقف دنیا کا ہر مسلمان یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند کی حیثیت اللہ کے فضل سے عالم اسلام میں علمی، دعوتی، اصلاحی اور دینی دارالخلافہ کی ہے، اور اس بابرکت، مؤقر اور محترم ادارہ کا دارالحدیث جو اپنے خاص امتیازات کے ساتھ اپنی ایک شان رکھتا ہے، اس کی مسند صدارت پر فائز ملک کی مقتدر ترین شخصیات برصغیر کی علمی تاریخ کی شان سمجھی جاتی رہی ہیں، اس دارالحدیث کی مسند صدارت پر فائز شخصیت کو دار العلوم کا شیخ الحدیث کہا جاتا ہے۔ اس طرح کسی عالم دین کا دارالعلوم کی کرسی صدارت پر فائز ہو کر شیخ الحدیث بن جانا عالم اسلام کے مسلمانوں کی علمی قیادت کا تاج عطا ہو جانا ہے۔ گویا دارالعلوم کا شیخ الحدیث پورے عالم کے اہل علم کے نزدیک امیر المومنین فی الحدیث کا منصب نشین سمجھا جاتا ہے۔ اس اہم ترین منصب پر دارالعلوم کی تاسیس سے لے کر آج تک، بڑے علمائے ربانین اور آسمان علم خصوصاً علم حدیث کے آفتاب و ماہتاب علوم کی سربراہی کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ ان مقتدایان امت، جبال العلم شخصیات میں، جنھوں نے نہ صرف دارالعلوم کی مسند صدارت کے منصب کا حق ادا کیا، بلکہ ان کی وجہ سے اس مؤقر اور متبرک ترین منصب کی شان میں اضافہ ہوا، اور اس کو چار چاند لگے، ایک مرکزی نام نامی، ہمارے مخدوم و محسن، استاذ الاساتذہ، نہ صرف حدیث پاک بلکہ اکثر اسلامی علوم و فنون کے میر کارواں، حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، جن کو ۲۵/رمضان المبارک سے قبل ہم اپنا سرپرست اور مہربان تسلیم کرتے ہوئے، مدظلہ العالی اور دامت برکاتہم العالیہ لکھتے اور بولتے تھے۔ اور اب علیم و حکیم ربّ کائنات کے پہلے سے طے شدہ قضا و قدر کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ، اور نور اللہ مرقدہ لکھنے پر مجبور ہیں۔ اور جو ابھی ۲۵/رمضان المبارک کو ممبئی میں مختصر علالت کے بعد ایک شفا خانہ میں مقیم رہ کر اپنی زندگی بھر کی خدمات کا اجر عظیم حاصل کرنے کے لئے اس دنیا کے قید خانہ کو خیر باد کہہ کر لاکھوں لوگوں، بلکہ کروڑوں سوگواروں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے کریم رب کی جوار رحمت میں چلے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مفتی صاحبؒ پچاس سال تک دارالعلوم کی مسند تدریس پر متمکن رہ کر مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھاتے رہے،

اور جو کتاب بھی ان کو تدریس کے لئے سپرد کی گئی، وہ اس درس کی عظمت کا نشان بنے رہے۔ان کے درس کا امتیاز تھا کہ دل چسپ کہانیوں کی طرح طلباء کی عقل اور ذوق کی سطح پر آکر بڑی بڑی کتابوں کے مشکل ترین مضامین کو اس طرح طلباء کے شعور میں اتار دیتے، کہ پھر وہ علم طالب علم کو مستحضر ہو جاتا۔دارالعلوم دیوبند کو شروع ہی سے آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب علماء، تدریس کے لئے میسر رہے ہیں،اس کی تدریسی تاریخ میں طلباء میں مقبول ترین اساتذہ کی کوئی مختصر سے مختصر فہرست مرتب کی جائے ،تو اس فہرست میں حضرت مفتی سعید صاحبؒ کا نام نامی ، قیادت کرنے والوں میں ہی لکھنا پڑے گا۔وہ اپنی مسند تدریس کے حقوق کو نبھانے والے اساتذہ میں تھے، جو تدریس کو آخری درجہ کی عبادت خیال فرماتے تھے،اور پھر اس کو پابندی اور پوری تیاری کے ساتھ، طلباء کا حق سمجھ کر اس ذمہ داری کو نبھانا وہ دینی فریضہ خیال فرماتے تھے۔تدریس میں اس طرح انہماک اور پابندی کا حق ادا کرنے کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ پوری دنیا میں اپنے اہل تعلق منتسبین، خصوصا دنیا کے کونے کونے سے آنے والے اپنے شاگردوں سے تعلق کا بھی نہ صرف حق نبھاتے تھے، بلکہ نہ جانے کتنے اداروں، جماعتوں اور تحریکوں سے وابستہ علماء اور صلحاء،اس کے علاوہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی عقیدت و محبت میں دارالعلوم کی زیارت کے لئے حاضری دینے والے بھی وہاں کی حاضری حضرت مفتی صاحب کی زیارت اور ملاقات کے بغیر تشنہ سمجھتے تھے،اور حضرت سے ملنے کے مشتاق رہتے تھے،حضرت مفتی صاحب کا مزاج، اوقات کے سلسلہ میں نظام الاوقات کی پابندی کا تھا،اور وہ بہت خوش اوقات علماء میں تھے،ان کی وقت کی قدردانی اور شاید تقوی کی وجہ سے اللہ تعالی نے حضرت کے وقت میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی، کہ ہر طرح کے مسائل میں مشورے، رہنمائی اور سرپرستی کے لئے حاضر ہونے والے ہزاروں ہزار خدام حضرت کے در سے تشنہ نہیں لوٹتے تھے، اور حضرت تمام کاموں میں ان کی رہنمائی فرما کر مفید مشوروں سے نوازتے تھے، یہ بات حضرت مفتی صاحب کی کھلی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے۔وہ شاگردوں اور اہل تعلق کی نشست و برخاست، ان کے ظاہر اور باطن ہر چیز کی فکر فرماتے تھے اور ان کی اصلاح فرماتے تھے۔

ایک بار عصر کی نماز کے بعد حاضری ہوئی تو علماء کرام کا ایک وفد جو کئی شہروں سے دورہ پر آیا ہوا تھا، ملاقات کے لئے آیا، شاید ان میں سے اکثر حضرت کے شاگرد تھے، اتفاق سے ان میں سے اکثر ذرا موٹے تھے،اور ان کا پیٹ بڑھا ہوا تھا، حضرت نے اسی تعلق سے اہل علم اور اہل دین کے موٹاپے کے خلاف تقریر فرمادی اور بڑی بے تکلفی سے فرمایا کہ پتہ نہیں مولوی کس چکی کا پسا کھاتے ہیں کہ بس مولوی بنے اور توند نکلنا شروع ہوئی، بھائی دبلا پتلا آدمی بھی مولوی کہلا سکتا ہے۔اتنی بے تکلفی سے گویا ان کو صحت کا خیال نہ رکھنے پر ڈانٹا ہو، مگر چونکہ اندر کی خیر خواہی، اور شفقت کے جذبہ کے ساتھ فرمایا تھا، اس لئے جب اس حقیر نے باہر نکل کر ان تمام علماء سے الگ الگ بات کی ،تو کسی نے بھی اس طرح ان کے ڈانٹے سے ذرا بھی گرانی محسوس نہیں کی، بلکہ سب نے عزم کیا کہ اب وزن کم کریں گے۔

مسند تدریس کا نہ صرف حق ادا کرنے، بلکہ دارالعلوم کی مسند درس کی شان کو دوبالا کرنے ،اور پورے عالم میں پھیلے ہوئے اپنے ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں لاکھ شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے دینی کاموں، بلکہ ذاتی زندگی میں رہنمائی، بلکہ سرپرستی فرمانے کے ساتھ ساتھ ،مفتی صاحبؒ نے مختلف علوم و فنون میں تصنیف کا جو عظیم الشان کام کیا، وہ خود آب زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ولی اللٰہی درس گاہوں سے وابستہ اپنی ہر طرح کی علمی نسبت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ سے کرنے والے لاکھوں لاکھ علماء پر قرض تھا کہ وہ ولی اللٰہی علوم سے موجودہ دور کے علماء اور صلحاء کو روشناس کرانے کے لئے استفادہ کی شکل پیدا

کریں، خصوصا اسلامی کتب خانوں کی شان سمجھی جانے والی، علوم اسلامیہ کی ممتاز ترین شاہ کار تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' جس پر نہ صرف برصغیر کے علماء ناز کرتے ہیں بلکہ عرب وعجم کے علماء اور مشاہیر بھی اس کی عظمت کے معترف ہیں، اس بات کے مشتاق تھے کہ موجودہ زمانہ کی سطح کے مطابق اس کی کوئی شرح منظر عام پر آئے، تاکہ ان علوم عالیہ سے ہمیں بھی استفادہ کا موقع ملے، حضرت مفتی صاحب کو یہ حق تھا کہ وہ اس کتاب کی زمانہ کی سطح کے مطابق شرح فرما کر اس سے استفادہ کے لئے راہ ہموار کریں، پوری امت مسلمہ خصوصا برصغیر کے علماء پر تقریبا تین سوسال سے یہ قرض چلا آرہا تھا جو حضرت مفتی صاحبؒ نے امت کی طرف سے تن تنہا ادا کیا، اور ایسی عظیم الشان، ایسے منفرد علوم پر مشتمل تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کی معرکۃ الآراء شرح ''رحمۃ اللہ الواسعہ'' کے نام سے تحریر فرمائی، جو واقعی زمانہ کے علماء کے لئے اسم با مسمی، اللہ کی بڑی رحمت ہے۔

مولانا کاشف الہاشمی کی تفسیر ''ہدایت القرآن'' کی تکمیل خود مفتی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ، اور فہم قرآن کی شاہ کار مثال ہے جو حضرت مفتی صاحبؒ نے انجام دی۔ اس کے علاوہ حدیث وفقہ حتی کہ صرف ونحو اور منطق اور علم کلام پر ان کی کئی بیش قیمت تصنیفات، طالبان علوم کی پیاس بجھانے کے لئے مسلسل اسلامی علوم کی شان بڑھارہی ہیں۔

قرآن وحدیث کا کوئی مسئلہ ہو یا فقہ فتاویٰ کی کوئی بحث، مفتی صاحبؒ کا امتیاز یہ تھا کہ ان کی رائے بہت پختہ اور مضبوط علمی دلائل پر قائم ہوتی تھی، جس کی وجہ سے ان سے استفتاء کرکے جواب حاصل کرنے والا اندر سے مطمئن ہوکر لوٹتا تھا، وہ آسمان علم کے شہ سوار، ایسی علمی شخصیت تھے کہ بڑے بڑے اہل علم کو ان کی خصوصیات، ان کے علمی مقام، ان کے کردار، ان کی فکری سطح پر لکھنے میں اور ان پر قلم اٹھانے میں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا رہے گا۔ ایک دیہاتی اور گنوار حضرت مفتی صاحبؒ کے اوصاف کہاں بیان کرسکتا ہے، پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ان کے باصلاحیت شاگرد اور منتسبین، حضرت کے کردار اور زندگی کے مختلف گوشوں پر تصنیفات اور ان کے سوانح لکھیں گے، جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ بنیں گے، اس حقیر نے تو بس اپنے غم کو ہلکا کرنے، اور اس صدمہ میں صبر کی ہمت حاصل کرنے اور تسلی کے لئے بہانہ تلاش کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے کہ مفتی صاحب کا سانحہ وصال جہاں پورے عالم اسلام کا واقعی بڑا حادثہ ہے (جو موجودہ زمانہ میں جب مدارس کی اتنی کثرت اور طلباء کی اس قدر بھیڑ بھاڑ کے باوجود رجال کا اس قدر قحط ہے، کچھ زمانہ پہلے حضرت مفتی صاحب کی ہی ایک تقریر وائرل ہوئی تھی کہ ام المدارس جہاں پر بڑے بڑے اہل علم وہاں کی جاروب کشی کو بھی اپنے لئے فخر کی بات گمان کرتے ہیں، وہاں پر کسی ادنیٰ خدمت کے موقع کو اپنے کے لئے صد شرف سمجھتے ہیں، وہاں پر کسی فن کا کوئی مرکزی عالم رخصت ہوتا ہے تو اس کی جگہ اس مسند کا حق ادا کرنے والا نہیں مل پاتا) اللہ کی ذات فعال لما یرید، علی کل شئی قدیر ہے، اپنی قدرت کاملہ سے از ہر ہند کی نسبت سے اس خلا کو پر کرنے کے لئے خرق عادت کے طور پر کوئی نظم فرمادیں۔ مگر ملک کی سطح پر تو بظاہر کوئی ایسی شخصیت، ہم جیسے چھوٹے کی عقل وشعور کی رسائی کی حد تک نہیں دکھائی دیتی جو حضرت مفتی صاحب کے وصال سے جو خلا ہوگیا ہے، اس کو پورا کرسکے، اور اس عظیم منصب کے شایان شان درس کا حق ادا کرسکے۔ اس طرح حضرت مفتی صاحب کا حادثہ وفات پورے عالم اسلام کے لئے بڑا سانحہ ہے، مگر اس حقیر کو تو یہ لگتا ہے کہ ملی اور ملکی حادثہ سے زیادہ مفتی صاحب کا حادثہ وفات، اس کم مایہ حقیر اور ہماری پوری دعوتی تحریک کے لئے بڑا حادثہ اور محرومی ہے، اس لئے کہ میرے حضرت والا کے تعلق کی برکت سے دعوت سے امت کی مجرمانہ غفلت کے دور میں رب کریم نے جو ٹوٹی پھوٹی آواز لگوادی ہے، اور الحمد للہ ملک اور بیرون ملک دنیا میں امت مسلمہ کے افراد اس آواز اور ایک

بھنگی کی منادی پر کان دھر کر کھڑے ہوکر دعوت کی ضرورت کو سمجھ رہے ہیں، اور الحمدللہ ابتدائی مرحلہ میں بہت سے لوگ عملاً دعوت کا کام کرنے میں لگ گئے ہیں، ہماری اس تحریک کے لئے سب سے زیادہ انشراح کے ساتھ، انتہائی شفقت، اپنائیت، اور قدردانی فرماتے ہوئے جس طرح حضرت مفتی صاحبؒ ایک بڑے سرپرست کی طرح تائیداور رہنمائی فرماتے تھے، ہم لوگوں کو ان کا کوئی قائم مقام، اس معیار کا، دور دور تک نہیں دکھائی دیتا۔

ہمارے محبّ و حبیب ، رفیق اور داعی، مفتی روشن شاہ صاحب نے لوگوں کے ڈر اور جھجک کے پردے ہٹا کر دسترخوان اسلام پر آنے والے نو وارد مہمانوں کی تڑپا دینے والی داستانوں پر مشتمل مجموعہ ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' کی طباعت کا سلسلہ شروع کیا اور اس کی پہلی جلد شائع ہوکر منظر عام پر آئی، تو اس زمانہ میں یہ حقیر ایک روز ایک سفر کے دوران ہریانہ جاتے وقت، حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم لوگوں کا خیال تھا کہ عصر کی نماز حضرت والا کے محلّہ کی مسجد میں پڑھ کر مسجد ہی میں حضرت سے ملاقات کر کے آگے کے سفر پر روانہ ہوجائیں گے، نماز کے بعد حضرت سے ملاقات ہوئی، انھوں نے پرتپاک انداز میں معانقہ فرمایا، اور دیر تک ماں کی طرح سینے سے چمٹائے رہے، ہم لوگوں نے چند منٹ کے بعد اجازت چاہی، تو فرمایا کہ چائے پئے بغیر کیسے جاسکتے ہیں، چلئے ساتھ میں چائے پئیں گے اور اس حقیر کا ہاتھ ایک بے تکلف دوست کی طرف بغل میں دبا کر ساتھ ساتھ چل دیئے، حتی کہ زینہ پر بھی اسی طرح بغل میں ہاتھ دبا کر چلتے رہے، یہ حقیر ادباً ذرا سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ گیا، ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس اپنی مسند اور تکیہ پر بٹھالیا، اور اپنے قریب کرتے رہے اور فرماتے رہے، تم تو دور بیٹھ رہے ہو، مل کر بیٹھو، بالکل اس طرح چمٹا کر بیٹھا لیا جیسے ماں اپنے بچے کو آنچل میں چھپا لیتی ہے، آج تک یہ حقیر اس محبت سے چمٹا کر بٹھانے کا مزا محسوس کرتا ہے، جیسے پرندہ اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چھپا لیتا ہے، اور فرمایا مولوی کلیم میں نے آپ کی وہ کتاب ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' رات کی ایک نشست میں ہی پڑھ ڈالی، اور درمیان میں اسے چھوڑ نہیں سکا، اور اسے پڑھتے ہوئے میں اپنے دل اور آنکھوں پر چاہتے ہوئے بھی قابو نہ رکھ سکا، روتا رہا اور پڑھتا رہا، اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مجھے ایسا لگا، جیسے کچھ وقت میں نے خیرالقرون میں گذارا۔

اس کے بعد ہمیشہ اہل علم اور شاگردوں کے سامنے حتی کہ دارالحدیث میں درس کے دوران بھی ہم لوگوں کی ٹوٹی پھوٹی دعوتی کوششوں کا بہت عنایت اور محبت سے تذکرہ فرماتے، اور ہر موقع پر حوصلہ افزائی فرماتے۔

ایک زمانہ میں اس حقیر کے ایک محبّ و محسن اور بڑے، جن سے اس حقیر کا بہت ہی دیرینہ تعلق بھی تھا، نے اس گنوار کی بعض کوتاہیوں اور غلطیوں کی اصلاح کے لئے خیرخواہی، اور دین اور اہل دین کو دین کے لئے مضر کمیوں سے باخبر کرنے کے لئے ایک کتاب تحریر فرمائی، جس کی دیوبند میں بھی بڑی اشاعت ہوئی، اس زمانہ میں یہ حقیر حاضر خدمت ہوا، تو حضرت بے حد شفقت سے ملے اور فرمایا، مولوی کلیم کام کرنے والوں کو آگے کی طرف دیکھنا چاہئے۔ فرمایا کہ میرے شیخ الحدیث بننے کے بعد جو کتابیں میرے خلاف لکھی گئیں، کچھ لوگ میرے خیرخواہ بھی میرے پاس لاتے تھے کہ آپ جواب لکھیں، یا ہمیں اجازت دیں کہ ہم جواب لکھیں، ہم نے کوئی کتاب پڑھی بھی نہیں، نہ جواب دیا اور نہ جواب دینے کی کسی کو اجازت دی۔ لوگ تھک کر خود وہیں بیٹھ گئے۔ بعد میں مفتی صاحب نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر ''ہدایت القرآن'' میں نسیم ہدایت کے جھونکے کا بڑی محبت کے ساتھ تذکرہ فرمایا۔

ہماری بستی پھلت میں علماء کے لئے دعوتی تربیت کا کیمپ لگایا گیا تو اس کے اختتامی پروگرام کے لئے اس حقیر کی حسرت تھی کہ اس بار حضرت مفتی صاحبؒ کو بلانا ہے، اس حقیر نے اپنے جواں سال، قابل رشک، سعید نواسے اور داعی مولوی عمر ناصحی کے

ساتھ ایک صاحب کو دعوت دینے کے لئے بھیجا، ہمارے قابل رشک داعی جناب مولانا اسلم کاظمی، جو دیوبند آنے والوں اور اساتذہ وطلباء کے لئے ہمارے نمائندہ اور واسطہ رہتے ہیں، وہ ان لوگوں کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک سال تک بہت سے کام اپنے ذمہ لگا لئے ہیں، ایک سال تک تو نہیں جاسکتا۔ پھر کچھ خیال آیا تو فرمایا: ایک نوجوان عالم بیٹھے تھے، مان لو یہ غیر مسلم ہیں آپ ان کو اسلام کی دعوت دیجئے، کیسے ان کو مسلمان کریں گے؟ مولانا اسلم صاحب نے قرآن مجید کی آیات سے توحید، آخرت اور رسالت کی دعوت دی، اور کلمہ پیش کیا، تو فرمانے لگے تم نے ویدوں اور گرنتھوں کے اشلوک سنسکرت میں تو پڑھے ہی نہیں، تاکہ یہ مانوس ہوتے۔ اسلم بھائی نے کہا کہ مولانا کلیم صاحب یہ کہتے ہیں کہ سب انبیاء کے ساتھ ان کا کام ختم ہوا، تو معجزے بھی ان کو وقتی عطا کئے گئے، اور ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گئے، مگر ہمارے نبی ﷺ کی بعثت تو قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہے، تو ابھی ہمارے نبی ﷺ کا کام باقی ہے، تو آپ کو ایسا زندہ وتابندہ معجزہ قرآن کی شکل میں دیا گیا جو قیامت تک اپنے اعجاز کے ساتھ زندہ وتابندہ رہے گا۔ ان کی کتابوں کی دلیل دے کر بات کرنے میں بڑی طوالت ہے، اور وہ کام بہت واقفیت اور مہارت کا ہے، مگر دعوت بالقرآن کا راستہ انتہائی سادہ، آسان اور ہر سطح کے اور ہر مذہب کے لئے ایک عصائے موسیٰ کی طرح سارے ساحروں کے سحر کا توڑ ہے، حضرت بہت منشرح ہوئے اور فرمایا کہ مولوی اسلم گاڑی کا نظم کرو پُھلت چلیں گے، پھر تشریف لائے، پوری کارگذاری سنی، بے حد دعائیں دیں، بعض مشورے بھی عنایت فرمائے، اور پچاس شرکاء تھے، سب کو پچاس پچاس روپے عنایت فرمائے۔

ابھی ممبئی سفر سے کچھ دن پہلے اس حقیر کے رفیق اور سفر و حضر کے اولاد کی طرح ساتھ رہنے والے جوان داعی، عزیز مولوی سعید پالن پوری، خدمت عالیہ میں دیوبند حاضر ہوئے، دوپہر کا وقت تھا، تعارف کے ساتھ حاضری کی اجازت چاہی، تو باہر ہی تشریف لے آئے اور فرمایا آج کل ملاقات بالکل بند ہے، اور اس وقت تو میں کبھی بھی نہیں ملتا، (شاید قیلولہ کا وقت یا کسی دوسری مصروفیت کا وقت رہا ہوگا) مگر تم بھائی کلیم کے یہاں سے آئے ہو تو آجاؤ، ان سے بھی فوراً یہ کہا کہ یہ میرا شاگرد ہے، تم یہ خیال کرو کہ یہ ہندو ہے، اس کو دعوت کیسے دوگے، میرے سامنے دعوت دے کر بتاؤ؟ ان کی گفتگو سن کر بہت خوش اور مطمئن ہوئے، پھر فرمانے لگے مولوی کلیم کی یہ بات بہت دل کو لگتی ہے اور بہت مضبوط ہے کہ وہ قرآن سے استدلال کرتے ہیں، یہ بھی فرمایا کہ شاید اسی لئے اللہ نے ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائی ہے، پھر مولوی سعید سے فرمایا کہ پالن پور کے علاقہ کے نوجوان علماء کو لے جاؤ مولوی کلیم کے پاس، اور دعوت سکھا کر دعوت سے لگاؤ، اور جتنا زیادہ ہو سکے یہ کام کرو۔

اس حقیر کے ہر وقت کے حاضر باش رفیق اور سفر وحضر میں اس حقیر کی ہر کڑوی کسیلی کو نظر انداز کر کے دن رات اس حقیر کی راحت کا خیال رکھنے والے ساتھی، عزیزی حافظ مبشر ایک بار ممبئی کے سفر کے لئے نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر تین نمبر پلیٹ فارم کی مسجد میں اپنی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے، خوش قسمتی سے اسی راجدھانی ٹرین سے حضرت مفتی صاحب بھی ممبئی کے سفر پر تشریف لے جا رہے تھے، دہلی کے کسی اہل تعلق کے یہاں حضرت نے دوپہر کی دعوت قبول فرمائی تھی، مگر دیوبند سے دہلی سفر میں بہت تاخیر ہوگئی، تو حضرت مفتی صاحب نے میزبان سے فرمایا کہ کھانا اسٹیشن پر تین نمبر پلیٹ فارم کی مسجد میں لے کر آجائیں، حضرت مسجد میں پہنچے، نماز کے بعد حافظ مبشر سے ملاقات ہوئی، جب معلوم ہوا کہ پھلت سے آئے ہیں اور اس حقیر کے ساتھی ہیں، تو بہت تپاک سے ملے، میزبان کے کان میں کچھ فرمایا شاید اجازت لی ہوگی، اور پھر فرمایا کہ آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے، ساتھ میں کھانا کھلایا اور فرمایا، بھائی کلیم

کو اللہ نے بڑے کام کے لئے چنا ہے، ان کا کوئی تعلق والا بھی مل جاتا ہے، تو خوشی ہوتی ہے۔

اتنی بڑی شخصیت کی یہ خوشی اور شفقت ہماری پوری دعوتی تحریک کے لئے بڑا سرمایہ تھی، یقیناً اس کی برکات اور حضرت کی دعاؤں کی تاثیر تو باقی رہے گی۔ مگر وقتاً فوقتاً ادھر سے ادھر، یہ شفقت وعنایت کے جملے، اور یہ حوصلہ افزائی کی کمی تو تاعمر ستاتی رہے گی۔ سال کے درمیان میں دارالحدیث میں آواز ختم ہو جانے کا واقعہ پیش آیا تو شاید وہ ایک الارم تھا، اس کے بعد حضرت ممبئی تشریف لے گئے، ابھی رمضان سے قبل ہمارے محبّ وحبیب جناب حافظ محمد آصف صاحب ساکن جوگیشوری، جو علماء اور اکابرین کے سچے عاشق زار، اور ہمارے ان خوش قسمت، قابل رشک دوستوں میں ہیں، جنھیں اکثر اکابرین کی میزبانی کا شرف اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے، وہ گویا علماء کے میزبان سے مشہور ہیں ان کے یہاں حضرت مفتی صاحب تشریف لائے ،رخصت ہونے سے پہلے اپنے خاندانی حالات، ابتدائی تعلیم، بھائیوں کی تعلیم، راندیر اور دیوبند میں تقرری، شادی اور گھریلو حالات، خود ہی بڑے مزے لے کر سنائے، جو حافظ آصف نے فون میں ریکارڈ کر لئے اور حضرت کے وصال کے بعد وہ آڈیو از راہ محبت ایک قیمتی ہدیہ کے طور پر اس حقیر کو دے دی، جس کو عزیز مولوی سعید پالن پوری نے نقل کر کے ارمغان کے اسی شمارہ میں شائع کیا ہے۔ اس حقیر نے حافظ صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے تو یہ قیمتی تحفہ عیدی میں بھیج دیا۔ جناب حافظ آصف کے فون سے اطلاع ملی کہ حضرت کو دل کا اٹیک ہوا ہے، حضرت کی چند سال قبل بائی پاس سرجری ہوئی تھی، حضرت کو ہوسپٹل لے جا رہے ہیں، اس کے بعد بھی، اللہ تعالی انہیں اپنی شایان شان اجر عطا فرمائے وقتاً فوقتاً حال سے باخبر کرتے رہے، بعد میں ایک روز بتایا کہ ہم لوگ ابھی حضرت کی خدمت میں ہو کر آئے ہیں، الحمد للہ طبیعت کافی اچھی ہے، اور آج حضرت نے خود طلب فرما کر کچھ کھانا بھی تناول فرمایا ہے، اور یہ بھی بتایا کہ آپ کا سلام اور پیغام بھائی نے حضرت کو پہنچایا، حضرت بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں، یہ بھی بتایا کہ کرونا ٹیسٹ حضرت کا ہوا ہے جس کی رپورٹ کل تک آئے گی، بعد میں معلوم ہوا کہ رپورٹ پوزیٹو آگئی مگر طبیعت اچھی ہے، اچانک ۲۴ر کی رات میں ان کا فون آیا کہ حضرت کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے آپ دعا میں لگ جائیں، نہ جانے کتنے لوگ دعا میں لگ گئے، مگر اجل کا وقت تو دعا سے کہاں ٹلنے والا ہے۔ ۲۵ر رمضان کی صبح سارے عالم اسلام نے یہ خبر سنی اور پڑھی کہ امت کا وہ غم خوار امیر المومنین فی الحدیث کروڑوں سوگواروں کو روتا بلکتا چھوڑ کر جود وعطا کے اس جشن شاہی میں اپنے محبوب حقیقی کی آغوش رحمت میں ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر چلا گیا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ کورونا ہونے کے باوجود کچھ بااثر لوگوں کی کوشش سے پروٹوکول کے خلاف حضرت والا کو غسل بھی دیا گیا، اور چند خدام کو باقاعدہ تدفین کی اجازت بھی دی گئی، ہمارے آصف صاحب ان خوش قسمت لوگوں میں تھے جنہیں مسجد میں اور قبرستان میں دونوں جگہ نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب دنیا سے تشریف لے گئے، مگر الحمد للہ حضرت کے نو صاحبزادے، جو سب عالم دین ہیں اور لاکھوں لاکھ شاگرد رشید، بڑی تعداد میں تصنیفات اور آپ کی پوری سیرت، و اخلاق وکردار کی عظمت رہتی دنیا تک امت مسلمہ کے لئے مشعل راہ اور مہمیز بنی رہے گی۔

قارئین ارمغان سے درخواست ہے کہ حضرت مفتی صاحب اس کی پوری دعوتی تحریک کے مرکزی سرپرست محسن اور مربی تھے اس لئے شاید دوسروں سے زیادہ ہم پر، اور ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم حضرت والا کے لئے تاعمر ایصال ثواب کرتے رہیں، ادارہ ارمغان حضرت کے تمام پس ماندگان، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کے ذمہ داران کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

سوانح حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

تحریر: حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
استاد حدیث دار العلوم دیوبند

ناقل: عادل سعیدی پالن پوری

مختصر سوانحی خاکــہ

نام: سعید احمد

والد کا نام: جناب یوسف صاحبؒ

جائے پیدائش: کالیڑہ، شمالی گجرات (پالن پور) انڈیا

تاریخ پیدائش: ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۳۶۰ھ

ابتدائی تعلیم: مکتب (کالیڑہ) شمالی گجرات (پالن پور) انڈیا

ثانوی تعلیم: مدرسہ سلم العلوم (پالنپور)، مظاہر علوم سہارنپور

تکمیل: دار العلوم دیوبند

(دورۂ حدیث ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء)

موجودہ اہم ذمہ داریاں

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ولادت با سعادت اور نــام

آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں، البتہ والد محترم نے اندازہ سے، آپ کا سن پیدائش ۱۹۴۰ء کا آخر مطابق ۱۹۹۷ سمبت بکرمی، مطابق ۱۳۶۰ھ بتایا ہے، آپ موضع **''کالیڑہ''**، ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، یہ پالن پور سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر، جنوب مشرق میں واقع ہے، اور علاقہ پالن پور کی مشہور بستی ہے۔

آپ کا نام والدین نے ''احمد'' رکھا تھا، سعید احمد آپ نے اپنا نام خود رکھا ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ''یوسف'' اور دادا کا نام ''علی'' ہے، جو احتراماً ''علی جی'' کہلاتے تھے، آپ کا خاندان ''ڈھکا'' اور برادری ''مومن'' ہے، جس کے تفصیلی احوال ''مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں'' مذکور ہیں۔

تعــلیم و تربیت

جب آپ کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوئی، تو والد صاحب نے آپ کی تعلیم کا آغاز فرمایا، لیکن والد مرحوم کھیتی باڑی کے کاموں کی وجہ سے، موصوف کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکتے تھے، اس لئے آپ کو اپنے وطن ''کالیڑہ'' کے مکتب میں بٹھا دیا، آپ کے مکتب کے اساتذہ یہ ہیں: مولانا داؤد صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا حبیب اللہ صاحب چودھری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا ابراہیم صاحب جونکیہ رحمہ اللہ تعالیٰ، جو ایک عرصہ تک دار العلوم آنند (گجرات) میں شیخ الحدیث رہے۔

مکتب کی تعلیم مکمل کر کے، موصوف اپنے ماموں مولانا عبد الرحمٰن صاحب شیرا قدس سرہ کے ہمراہ ''چھاپی'' تشریف لے گئے، اور دار العلوم چھاپی میں اپنے ماموں، اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں، چھ ماہ تک پڑھیں، چھ ماہ کے بعد، آپ کے ماموں دار العلوم چھاپی کی تدریس چھوڑ کر گھر آ گئے، تو آپ بھی اپنے ماموں کے ہمراہ آ گئے، اور چھ ماہ تک اپنے ماموں سے ان کے وطن ''جونی سیندھی'' میں فارسی کی کتابیں پڑھتے رہے۔

اس کے بعد مصلح امت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوری قدس سرہ کے مدرسہ میں جو پالن پور شہر میں واقع ہے داخلہ لیا، اور چار سال تک حضرت مولانا مفتی محمد اکبر میاں صاحب پالن پوری، اور حضرت مولانا ہاشم صاحب بخاری رحمہما اللہ سے، عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں، مصلح امت حضرت

مولانا محمد نذیر میاں صاحب قدس سرہ وہ عظیم ہستی ہیں، جنھوں نے اس آخری زمانہ میں ''مومن برادری'' کو بدعات وخرافات، اور تمام غیر اسلامی رسوم سے نکال کر، ہدایت وسنت کی شاہراہ پر ڈالا، اور ''مومن برادری'' کی مکمل اصلاح فرمائی، آج علاقہ پالن پور میں جو دینی فضا نظر آرہی ہے، وہ حضرت مولانا ہی کی خدمات کا ثمرہ ہے، اور حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، بخاریٰ سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے، فراغت کے بعد پہلے پالن پور، پھر امداد العلوم وڈالی، پھر جامعہ حسینیہ راندیر (سورت) پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمات انجام دیں، اور آخر میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

مظاہر علوم میں داخلہ

شرح جامی تک پالن پور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد، مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ۱۳۷۷ھ میں سہارنپور (یوپی) کا سفر کیا، اور مظاہر علوم میں داخلہ لے کر، تین سال تک امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جموی قدس سرہ سے نحو اور منطق وفلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں، نیز حضرت مولانا مفتی یحییٰ صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا وقار صاحب بجنوری رحمہم اللہ سے بھی کتابیں پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

پھر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر پہلے سال حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلندشہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے، تفسیر جلالین مع الفوز الکبیر، حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی قدس سرہ سے ہدایہ اولین وغیرہ پڑھیں، اور ۱۳۸۲ھ موافق ۱۹۶۲ء میں، جو کہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے، دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں جن اکابر سے پڑھا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلندشہری رحمہ اللہ تعالیٰ (۳) حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب کیرانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۵) حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۷) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) حضرت مولانا محمد ظہور صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ (۹) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰) امام المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۱) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲) شیخ محمود عبد الوہاب صاحب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ

موصوف اپنے بعض احوال اور کتب حدیث کے اساتذہ کرام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خاکپائے علماء: سعید احمد بن یوسف بن علی بن جیوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالن پوری، گجراتی ثم دیوبندی، تاریخ ولادت محفوظ نہیں، والد ماجد رحمہ اللہ نے، اندازے سے ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء بتائی ہے، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا، اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحہ فراغ پڑھا، بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ سے، مقدمہ مسلم شریف و مسلم شریف کتاب الایمان وترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیاویؒ سے، باقی مسلم شریف، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ بلندشہری سے، ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل وشمائل اور ابوداؤد شریف حضرت علامہ فخر الحسن مرادآبادیؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحبؒ دیوبندی سے، طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہؒ جہاں پوری سے، مشکوۃ شریف

حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ دیوبندی سے، ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ دیوبندی سے، اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ اعظمی سے پڑھی، اس سال مؤطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور مؤطا محمد حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ دیوبندی کے پاس تھی۔''

آپ بچپن سے ہی نہایت ذہین وفطین، کتب بینی، اور محنت کے عادی تھے، اس پر مذکور بالا اساتذہ کرام کی تعلیم وتربیت نے، آپ کی استعداد وصلاحیت کو بائیس سال کی عمر میں ہی، بام عروج پر پہنچا دیا تھا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم دینی درسگاہ کے، سالانہ امتحان میں آپ نے اول نمبر سے کامیابی حاصل کی تھی۔

دارالافتاء میں داخلہ

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد، آپ نے شوال ۱۳۸۲ھ میں تکمیل افتاء کے لئے درخواست دی۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو آپ کا دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا، اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ کی نگرانی میں کتب فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔

آپ اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے ہیں، اس لئے دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے بھائیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، اسی سال آپ نے سماحۃ الشیخ محمود عبدالوہاب مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس حفظ بھی شروع کیا، جو قرآن کریم کے جید حافظ اور مصری قاری تھے، اور جامعۃ الازہر قاہرہ کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں مبعوث تھے۔

الغرض ۱۳۸۲ھ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ ایک طرف کتب فتاوی کا مطالعہ، فتوی نویسی کی مشق کرتے تھے، دوسری طرف اپنے بھائی کو حفظ کراتے تھے اور خود بھی حفظ کرتے تھے، اور ان کاموں میں ایسے مصروف ومنہمک تھے کہ رمضان المبارک میں بھی وطن تشریف نہیں لے گئے، ادھر افتاء کمیٹی نے آپ کی صلاحیتوں کو مزید پروان چڑھانے کے لئے، دارالافتاء کے داخلہ میں ایک سال کی توسیع کر دی، چھ ماہ بعد دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام نے، آپ کا معین مفتی کی حیثیت سے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں تقرر کر دیا، جب کہ اس زمانہ میں معین مفتی رکھنے کا رواج نہیں تھا، جیسا کہ اب ہے۔

راندیر میں آپ کا تقرر

دار الافتاء کے نصاب کی تکمیل کے بعد، حضرت علامہ بلیاویؒ کے توسط سے آپ کا تقرر دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجہ علیا کے استاذ کی حیثیت سے ہوا، چنانچہ آپ ۲۱/شوال ۱۳۸۴ھ کو دارالعلوم دیوبند سے اپنے گھر تشریف لے گئے، والدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا، پھر اپنے بھائیوں کو لے کر راندیر تشریف لے گئے، اور دارالعلوم اشرفیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔

راندیر میں آپ کی خدمات

ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک (۹ سال) دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں موصوف نے ترجمہ قرآن کریم، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، شمائل، موطین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف مع الفوز الکبیر، ہدایہ آخرین، شرح عقائد نسفی، اور حسامی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں، اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، اسی عرصہ میں موصوف نے داڑھی اور انبیاء کی سنتیں، حرمت مصاہرت، العون الکبیر اور مولانا محمد بن طاہر پٹنی قدس سرہ کی ''المغنی'' کی عربی شرح وغیرہ تصانیف ارقام فرمائیں، جن میں سے اکثر شائع ہو چکی ہیں، نیز اسی زمانہ میں موصوف نے، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتابوں، اور علوم و معارف کی تسہیل و تشریح کا آغاز فرمایا، ایک مضمون ''افادات نانوتوی'' کے نام سے اسی زمانہ میں الفرقان لکھنو میں قسط وار شائع ہوا تھا، جو نہایت قیمتی مضمون ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر

اسی دوران موصوف کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ہاشم

صاحب بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے، جو پہلے جامعہ حسینیہ راندیر میں پڑھاتے تھے، پھر دارالعلوم دیوبند میں ان کا تقرر ہو گیا تھا، موصوف کو خط سے مطلع کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں ایک جگہ خالی ہے، لہٰذا آپ دارالعلوم میں تدریس کی درخواست بھیجیں، موصوف نے جناب مولانا حکیم محمد سعد رشید صاحب اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشورہ سے درخواست بھیج دی، اس کے ہمراہ ایک مکتوب حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ارسال فرمایا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس سرہ نے اس کے جواب میں جو گرامی نامہ بھیجا، وہ درج ذیل ہے:

محترمی ومکرمی زید مجدکم!

سلام مسنون، نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث مسرت ہوا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب پر کام کرنے کی اطلاع سے غیر معمولی خوشی ہوئی، جو صورت آپ نے اختیار فرمائی ہے، وہ مناسب ہے، خود میرے ذہن میں ان کتب کی خدمت کی مختلف صورتوں میں سے ایک یہ صورت بھی تھی، الفرقان میں پڑھنے کی نوبت نہیں آئی، ان شاء اللہ رسائل منگوا کر مستفید ہوں گا، اور جو رائے قائم ہوگی وہ عرض کروں گا۔

درخواست منسلکہ مجلس تعلیمی میں بھیج رہا ہوں، اس پر وہاں سے کوئی کارروائی ضرور کی جائے گی، اس کی اطلاع دی جائے گی، دعا کی درخواست، قاسم العلوم کے میرے پاس دو نسخے تھے، ایک نسخہ اسی ضرورت سے وہاں بھیجا گیا، مگر واپس نہیں ہوا، اب ایک رہ گیا ہے، جو صاحب نقل کرنا چاہیں، وہ ایک وقت مقرر کر کے میرے کتب خانہ میں ہی بیٹھ کر نقل فرمالیا کریں، اور یہاں بحمد اللہ خیریت ہے۔ والسلام محمد طیب از دیوبند

یہ گرامی نامہ ۷/ رجب ۱۳۹۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اسی سال شعبان میں، جب مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا، اور درجات عربیہ کے لئے ایک مدرس کے تقرر کا تذکرہ آیا، تو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ نے موصوف کا نام پیش کیا، اور اسی مجلس میں موصوف کا تقرر ہو گیا، موصوف کو شعبان ہی میں اس کی اطلاع دے دی گئی، رمضان المبارک کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

دیگر خدمات

تعلیمی وتدریسی خدمات کے علاوہ موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں جو خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں، ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں گنجائش نہیں، صرف چند خدمات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۴۰۲ھ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین نے طویل رخصت لے لی تھی، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ سہانپور چلے گئے تھے، اور کچھ مفتیان کرام نے دارالعلوم سے علاحدگی اختیار کر لی تھی، اس لئے ارباب انتظام نے موصوف کو کتب متعلقہ کی تدریس کے ساتھ، شعبہ افتاء کی نگرانی اور فتوی نویسی کا حکم دیا تھا، جس کو بحسن وخوبی موصوف نے انجام دیا، اس سے پہلے ۱۳۹۵ھ میں بھی موصوف کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کی نگرانی سپرد کی گئی تھی۔

جب سے دارالعلوم دیوبند میں ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا قیام عمل میں آیا ہے، آپ اس کے ناظم اعلیٰ ہیں، ۱۴۱۹ھ میں آپ نے اس منصب سے سبکدوش ہونے کی مجلس شوری سے درخواست کی تھی، مگر مجلس شوری نے منظور نہیں فرمائی، اور ایک ہزار روپے ماہانہ الاؤنس کے طور پر طے فرمائے، مگر آپ نے الاؤنس لینے سے انکار کر دیا، اور ذمہ داری کو سنبھالتے رہے۔

مذکورہ بالا خدمات کے علاوہ، حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم جو تحریری اور تقریری خدمت موصوف کو سپرد فرماتے، اس کو بحسن وخوبی انجام دیتے۔

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا کی تصانیف جو شائع ہو کر مشرق ومغرب میں

پھیل چکی ہیں، ان کا تعارف درج ذیل ہے:

(۱) تفسیر ہدایت القرآن: یہ مقبول عام و خاص تفسیر ہے، پارہ ۳۰ اور ایک تا ۹ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ کے لکھے ہوئے ہیں، بقیہ کام حضرت والا نے کیا ہے۔ (اضافہ: الحمدللہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے یہ تفسیر مکمل کردی ہے، اور شائع ہوگئی ہے، ابتدا کے نو پارے جو حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھے تھے، اسی انداز اور طرز پر ان نو پاروں کی تفسیر بھی لکھ رہے ہیں، اور سورہ بقرہ مکمل ہوگئی ہے)۔

(۲) الفوز الکبیر کی تعریب جدید: یہ سابقہ تعریب کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصابِ درس میں داخل ہے۔

(۳) العون الکبیر: یہ الفوز الکبیر کی عربی شرح ہے، پہلے قدیم تعریب کے مطابق تھی، اب جدید تعریب کے مطابق کردی گئی ہے۔

(۴) فیض المنعم: یہ مقدمہ مسلم شریف کی معیاری اردو شرح ہے، جو ترکیب، حل لغات اور فن حدیث کی ضروری بحثوں پر مشتمل ہے۔

(۵) تحفہ الدرر: یہ نخبۃ الفکر کی بہترین اردو شرح ہے، کتب حدیث پڑھنے والوں، خصوصاً مشکوٰۃ شریف پڑھنے والوں کے لئے نہایت قیمتی سوغات ہے۔

(۶) مبادی الفلسفہ: اس میں فلسفہ کی تمام اصطلاحات کی عربی زبان میں مختصر اور عمدہ وضاحت کی گئی ہے، دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے۔

(۷) معین الفلسفہ: یہ مبادیِ الفلسفہ کی بہترین اردو شرح ہے، اور حکمت وفلسفہ کے پیچیدہ مسائل کی عمدہ وضاحت پر مشتمل معلومات افزا کتاب ہے۔

(۸) مفتاح التہذیب: یہ علامہ تفتازانی کی ''تہذیب المنطق'' کی عمدہ شرح ہے، اس سے ''شرح تہذیب'' جو مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہے، خوب حل ہوجاتی ہے۔

(۹) آسان منطق: یہ تیسیر المنطق کی تہذیب ہے، دارالعلوم دیوبند اور بہت سے مدارس میں ''تیسیر المنطق'' کی جگہ پڑھائی جاتی ہے۔

(۱۰) آسان نحو (دو حصے): نحو کی ابتدائی عربی کتابوں میں تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، یہ دو حصے پڑھا کر علم نحو کی کوئی بھی عربی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔ زبان آسان اور انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔

(۱۱) آسان صرف (تین حصے): علم صرف کی جو کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں، ان میں عام طور پر تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، جب کہ یہ بات نہایت ضروری ہے، یہ نصاب اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے، یہ نصاب نہایت مفید اور بہت سے مدارس میں داخل درس ہے۔

(۱۲) محفوظات (تین حصے): یہ آیات واحادیث کا مجموعہ ہے، جو طلبہ کے حفظ کے لئے مرتب کیا گیا ہے، بہت سے مدارس ومکاتب میں داخل نصاب ہے۔

(۱۳) آپ فتوی کیسے دیں؟: یہ علامہ محمد امین بن عابدین شامی کی شہرہ آفاق کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' کی نہایت عمدہ شرح ہے۔

(۱۴) کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟: یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی کتاب ''توثیق الکلام'' کی نہایت آسان عام فہم شرح ہے۔

(۱۵) حیات امام ابوداؤد: اس میں امام ابوداؤد سجستانی کی مکمل سوانح، سنن ابی داؤد کا تفصیلی تعارف، اور اس کی تمام شروحات ومتعلقات کا مفصل جائزہ، سلیس اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱۶) مشاہیر محدثین وفقہائے کرام اور تذکرہ راویان کتب

حدیث: اس میں خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، ازواج مطہرات، بنات طیبات، مدینہ کے فقہائے سبعہ، مجتہدین، محدثین کرام، راویان کتب حدیث، شارحین حدیث، فقہائے ملت، مفسرین عظام، متکلمین اسلام اور مشہور شخصیات کا مختصر جامع تذکرہ ہے۔

(۱۷) حیات امام طحاوی: اس میں امام ابوجعفر طحاوی کے مفصل حالات زندگی، ناقدین پر رد، تصانیف کا تذکرہ، زبدۃ الطحاوی کی توضیح اور شرح معانی الآثار کا تعارف ہے۔

(۱۸) اسلام تغیر پذیر دنیا میں: یہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور جامعہ ملیہ دہلی کے سمیناروں میں پڑھے گئے چار قیمتی مقالوں کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) نبوت نے انسانیت کو کیا دیا؟: یہ مقالہ جامعہ ملیہ دہلی کے ایک جلسہ میں پیش کیا گیا تھا، پہلے وہ علاحدہ شائع ہوا تھا، اب اس کو ''اسلام تغیر پذیر دنیا میں'' کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے۔

(۲۰) داڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ناخن تراشنے، حجامت بنوانے، مسواک کرنے، کلی اور ناک صاف کرنے، جسم کے جوڑوں کو دھونے، ختنہ کرنے، پانی سے استنجاء کرنے، بالوں میں مانگ نکالنے، مونچھیں تراشنے، اور داڑھی رکھنے کے متعلق، واضح احکامات، مسائل، دلائل اور فضائل کا مجموعہ ہے، داڑھی پر ہونے والے اعتراضوں کے جوابات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

(۲۱) حرمت مصاہرت: اس میں سسرالی اور دامادی رشتوں کے مفصل احکام، اور ناجائز انتفاع کے مدلل حکم کا بیان ہے۔

(۲۲) تسہیل ادلہ کاملہ: یہ حضرت شیخ الہند کی مایہ ناز کتاب ''ادلہ کاملہ'' کی نہایت عمدہ شرح ہے، اس میں غیر مقلدین کے چھیڑے ہوئے دس مشہور مسائل کی مکمل تفصیل ہے، یہ شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۳) حواشی وعناوین ایضاح الادلۃ: ایضاح الادلۃ حضرت شیخ الہند کی شہرہ آفاق کتاب ہے، اس پر موصوف نے نہایت مفید حواشی ارقام فرمائے ہیں، اور ذیلی عناوین بڑھائے ہیں، یہ کتاب بھی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۴) حواشی امداد الفتاوی: موصوف نے قیام راندیر کے زمانے میں یہ حواشی لکھنے شروع کئے تھے، یہ حواشی بھی اہل علم میں وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۲۵) افادات نانوتوی: یہ موصوف کا ایک نہایت قیمتی مضمون ہے، جس کو دارالعلوم اشرفیہ راندیر کی تدریس کے زمانہ میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی زمانہ میں الفرقان لکھنو میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۶) افادات رشیدیہ: یہ موصوف کا دوسرا نہایت مفید مضمون ہے، جس کو دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے آغاز میں ارقام فرمایا تھا، اور اسی وقت رسالہ دارالعلوم دیوبند میں قسط وار شائع ہوا تھا۔

(۲۷) رحمۃ اللہ الواسعۃ: یہ حجۃ اللہ البالغہ کی مبسوط اردو شرح ہے، حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح ایک بھاری قرضہ تھا، جو ڈھائی سوسال سے امت کے ذمہ باقی چلا آرہا تھا۔

(۲۸) تہذیب المغنی: المغنی علامہ محمد طاہر پٹنی قدس سرہ کی اسماء رجال پر بہترین کتاب ہے، موصوف نے اس کی عربی میں شرح لکھی ہے۔

(۲۹) زبدۃ الطحاوی: یہ امام طحاوی کی شہرہ آفاق کتاب ''شرح معانی الآثار'' کی عربی تلخیص ہے۔

(۳۰) کامل برہانِ الٰہی: رحمۃ اللہ الواسعہ میں مفتی صاحب نے عنوان قائم کرکے، جو حجۃ اللہ البالغہ کی آسان شرح کی ہے، اس کو علاحدہ کرلیا ہے، اور ہلکی چار جلدوں میں مذکورہ نام سے، یہ نئی کتاب تیار کی ہے، اس میں حجۃ اللہ البالغہ کی عربی عبارت، ترجمہ، لغات اور تشریحات شامل نہیں، اب یہ عام مطالعہ کی ایک بہترین کتاب بن گئی ہے، جو لوگ حجۃ اللہ البالغہ حل نہیں کرنا چاہتے، صرف اس کے مضامین پڑھنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ قیمتی سوغات ہے، زبان آسان اور سلیس ہے، ہر قاری بے تکلف

اس کا مطالعہ کرسکتا ہے۔

(۳۱) حجۃ اللہ البالغہ عربی: (دو حصے) حضرت مفتی صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ پر عربی حاشیہ تحریر فرمایا ہے، جو دو جلدوں میں طبع ہوگیا ہے، عربی خواں حضرات حاشیہ کی مدد سے کتاب حل کرسکتے ہیں، اور درس میں بھی اس کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔

(۳۲) ہادیہ شرح کافیہ: کافیہ: علم نحو کا مشہور و مقبول متنِ متین ہے، اس کی عبارت سلیس اور آسان ہے، مگر اس آسان کتاب کو، طریقہ تدریس نے مشکل بنادیا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ نے اس پر یہ کام کیا ہے، کہ کافیہ کو مفصل و مرقم کیا ہے، اس کے ہر مسئلہ، اور ہر قاعدہ کو علاحدہ کیا ہے، پھر اس کی نہایت آسان شرح لکھی ہے، اور شروع میں کافیہ پڑھانے کا طریقہ بیان کیا ہے، اور قدیم طرز سے ہٹ کر کافیہ کس طرح طلبہ کے ذہن نشین کی جائے اس کے لئے "مشقی سوالات" دیئے گئے ہیں۔

(۳۳) وافیہ شرح کافیہ: یہ کافیہ کی عربی شرح ہے، اس میں وہی مفصل و مرقم متن ہے، اور حاشیہ میں عربی شرح لکھی گئی ہے، تاکہ طلبہ درس میں اس کو سامنے رکھ کر پڑھ سکیں۔

(۳۴) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی: یہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کے دروسِ ترمذی کا مجموعہ ہے، آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکا ہے، جو ترمذی شریف جلد ثانی مع شمائل ترمذی پر مشتمل ہے، مقدمہ: نایاب اور قیمتی معلومات پر مشتمل ہے اور شرح کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں مدارکِ اجتہاد بیان کئے گئے ہیں، نیز ترمذی شریف کی عبارت صحیح اعراب کے ساتھ دی گئی ہے اور کتاب کا ہر ہر لفظ حل کیا گیا ہے، شروع میں کتاب العلل کی شرح بھی ہے، جو ایک قیمتی سوغات ہے۔ غرض یہ شرح ہر مدرس کی ضرورت اور حدیث کے ہر طالب علم کی حاجت ہے۔

(۳۵) تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری: یہ دارالعلوم دیوبند میں دیئے گئے بخاری شریف کے دروس کا مجموعہ ہے، جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، اس شرح کی خاص بات یہ ہے، کہ یہ نہ تو اتنی طویل ہے، کہ آدمی اس سے استفادہ ہی نہ کرسکے، اور نہ اتنی مختصر ہے، کہ کھولتے ہی ختم ہوجائے، پوری کتاب میں راہ اعتدال کو پکڑ کے رکھا گیا ہے، اور کہیں آپ کو تشنگی یا بوریت محسوس نہیں ہوگی، بالخصوص وہ حضرات جو مدارس میں اس اہم کتاب کو پڑھا رہے ہیں، یا حدیث کی کوئی بھی کتاب پڑھا رہے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے۔

(۳۶) علمی خطبات: یہ مفتی صاحب دامت برکاتھم کے علمی و تحقیقی خطبات کا مجموعہ ہے، جو دو حصوں پر مشتمل ہے، اساتذہ، طلبہ، اور عوام کے لئے قیمتی سوغات ہے، ان خطبات میں نہایت قیمتی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

(۳۷) مفتاح العوامل شرح شرح مأۃ عامل: یہ حضرت مولانا فخر الدین احمد قدس سرہٗ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(۳۸) گنجینہ صرف، شرح پنج گنج: یہ کتاب بھی حضرت مولانا فخر الدین صاحب قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتھم نے اس کی بھی قابل قدر خدمت کی ہے۔

(۳۹) ارشاد الفہوم شرح سلم العلوم: منطق کی کتابوں میں سلم انتہائی دقیق کتاب مانی جاتی ہے، اور کچھ طریقہ تدریس نے بھی اس کتاب کو مشکل بنادیا ہے، یہ کتاب سلم کی ایسی شرح ہے، کہ مشکل سے مشکل مقامات بھی سہل انداز سے حل ہوجاتے ہیں۔

(۴۰) دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت: یہ کتاب چند تقریروں کا مجموعہ ہے، جس میں دین اسلام کی بنیادوں اور تقلید کی ضرورت کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

(۴۱) فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد قیاس پر ہے، اس کتابچہ میں غیر مقلدین کے اس پروپیگنڈہ کا جواب دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد

نصوص پر ہے۔

(۴۲) آسان فارسی قواعد: اس کتاب کے دو حصے ہیں، بہت سے مدارس میں تیسیر المبتدی کی جگہ داخلِ نصاب ہے۔

(۴۳) مبادی الاصول: یہ عربی کتاب اصولِ فقہ میں ہے، بہت سے مدارس میں اصول الشاشی سے پہلے یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اور داخل نصاب ہے۔

(۴۴) معین الاصول: یہ مبادی الاصول کی آسان اردو شرح ہے، اصول الشاشی، نور الانوار اور حسامی کے طلبہ کے لئے نہایت مفید کتاب ہے۔

(۴۵) شرح علل الترمذی: یہ ترمذی شریف کی کتاب العلل کی عربی شرح ہے، اس میں نہایت آسان زبان میں کتاب العلل کو سمجھا گیا ہے۔

(۴۶) مسلم پرسنل لا اور نفقہ مطلقہ: یہ کتابچہ دفترِ اہتمام دارالعلوم دیوبند سے شائع کیا گیا تھا، اس میں مسلم پرسنل لا کی اہمیت، اور نفقہ مطلقہ کے سلسلہ میں عدالت عالیہ کی طرف سے صادر ہونے والے فیصلے پر علمی اور فقہی انداز میں نقد اور نفقہ مطلقہ پر ہونے والے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔

دعوتی و تبلیغی خدمات

مذکورہ بالا تعلیمی و تدریسی اور تصنیفی مصروفیات کے باوجود، آپ ملک و بیرون ملک کے دورے کرتے رہتے، اور جو حضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہیں، ان کو اپنی نوا سنجیوں سے نوازتے رہتے، آپ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کو بحسن و خوبی انجام دیتے ہوئے، اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے، درمیان سال میں، وقتاً فوقتاً ملک و بیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے، اور رمضان المبارک کی طویل تعطیل میں، کبھی برطانیہ، کبھی کناڈا، کبھی افریقہ اور امریکہ تشریف لے جاتے، اور سامعین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت، خوف خدا و فکر آخرت، اور اعمال صالحہ پر ابھارتے، اور حرام اور منکر باتوں سے باز رہنے کی تلقین فرماتے۔

انداز خطابت اور تصنیفی خصوصیات

جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر، درس نہایت مقبول اور عام فہم ہے، اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان، عام فہم اور مقبول عام و خاص ہیں، آپ کی تقریریں نہایت مبسوط، اور علمی نکات سے پر، اور تحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں، اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس عربیہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔

ترقیات کا راز

موصوف کو اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، آپ کا ذوق لطیف، طبیعت سادہ اور نفیس ہے، مزاج میں استقلال اور اعتدال ہے، فطرت میں سلامت روی، اور ذہن رسا کے مالک ہیں، زود نویس اور خوش نویس ہیں، حق و باطل، اور صواب و خطا کے درمیان امتیاز کرنے کی وافر صلاحیت رکھتے ہیں، اور حقائق و معارف کے ادراک میں یکتائے زمانہ ہیں اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ موصوف اپنے کاموں میں نہایت چست اور حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کرنے والے ہیں، موصوف کو قریب سے دیکھنے والوں کا کہنا ہے کہ ہم نے حضرت اقدس جیسا شب و روز محنت کرنے والا، مصروف آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں، کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے، اور آپ کی تصانیف اور تقاریر کتنی پر مغز، مرتب اور جامع ہوتی ہیں۔

اجازت بیعت و ارشاد

موصوف جس طرح علوم ظاہری میں درک و کمال رکھتے ہیں اسی طرح علوم باطنی سے بھی بہرہ ور ہیں، آپ طالب علمی کے زمانہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے بیعت تھے، اور دیگر بزرگان دین سے بھی فیض یافتہ ہیں، خاص طور پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی مجالس میں، مظاہر علوم کی طالب علمی کے زمانہ میں

شرکت کرتے رہے ہیں، اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مظاہری کے مجاز بیعت وارشاد ہیں۔

زیارت حرمین شریفین

موصوف کئی بار زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کر چکے ہیں، سب سے پہلے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ، پانی کے جہاز سے سفر کیا، اور فریضہ حج ادا کیا ... پھر ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں افریقہ سے دوسرا حج کیا، چونکہ آپ پہلے فرض حج ادا کر چکے تھے، اس لئے موصوف نے یہ دوسرا حج آنحضرت ﷺ کی طرف سے حج بدل کے طور پر کیا ہے، پھر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء میں سعودی وزارت حج واوقاف کے مہمان کی حیثیت سے تیسرا حج کیا، اور ایک بار ربیع الاول ۱۴۱۴ھ میں عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

والد ماجد کی وفات

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی امین صاحب (استاذ حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند) نے تفصیل سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثانی، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، اور محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ڈابھیل میں پڑھاتے تھے، اس وقت والد صاحب ڈابھیل میں پڑھتے تھے، اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادم خاص تھے، مگر گھریلو احوال کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لئے اپنے صاحب زادوں کو علامہ شبیر احمد عثانی، مولانا بدر عالم میرٹھی، اور محدث کبیر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری جیسا عالم بنانے کا عظیم جذبہ رکھتے تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے والد صاحب کو یہ وصیت کی تھی کہ: ''یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو، تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا، اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیونکہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے، اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا''۔ یہ نصیحت حضرت مولانا نے والد ماجد کو اس لئے کی تھی، کہ اس زمانہ میں ہماری ساری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی تھی، والد صاحب اس زمانہ میں ڈابھیل کے طالب علم تھے، والد صاحب نے اس معاملہ میں دادا سے اختلاف کیا تو والد صاحب کو حرام سے بچنے کے لئے مجبوراً تعلیم چھوڑ کر اپنا گھر سنبھالنا پڑا، اور تہیہ کیا کہ چاہے بھوکا رہوں گا، مگر حرام کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، تا کہ میں نہیں پڑھ سکا تو اللہ تعالیٰ میری اولاد کو علم دین عطا فرمائیں۔

چنانچہ والد صاحب، ناجائز اور حرام مال، بلکہ مشتبہ مال سے بھی پرہیز کرتے تھے، اور اپنی اولاد کو بھی بچاتے تھے، اور ان کی تعلیم وتربیت کی طرف پوری توجہ فرماتے تھے، صوم وصلوٰۃ کے ایسے پابند تھے، کہ میرے علم کے مطابق ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد، والد صاحب نے قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا تھا، سات آٹھ پارے حفظ کر لئے تھے، مگر عمر نے وفا نہیں کی، اور ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ میں تہجد کے وقت اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون''

والدہ ماجدہ کی رحلت

حضرت مفتی صاحب کی والدہ ماجدہ، دین کی ضروری باتوں سے واقف، امور خانہ داری میں ماہر، نہایت سلیقہ مند، نماز روزے کا خوب اہتمام کرنے والی، صالحہ عابدہ اور صابرہ شاکرہ خاتون تھیں، ۱۰ محرم الحرام ۱۴۹۹ھ کو روزہ رکھا، مغرب کے وقت روزہ افطار کیا، نماز پڑھی، اسی دن عشاء کی نماز کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے والدین ماجدین کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور مفتی صاحب کا سایہ عاطفت تا دیر قائم رکھے۔ آمین

اقوالِ زرّیں

چند فکرانگیز اقوال حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ

ناقل: مولانا عادل سعیدی پالن پوری

☆ رذیلوں کا غلبہ ان کی رذالت کو زائل نہیں کرتا، البتہ اس سے شریفوں کی شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

☆ قمری حساب یاد رکھنا، اور اس کی حفاظت کرنا فرضِ کفایہ ہے، کیونکہ بیشتر احکامِ شرعیہ کا اسی سے تعلق ہے۔

☆ دولت ڈھلتی چھاؤں ہے، آج اِدھر، تو کل اُدھر ہے، خوش نصیب وہ ہے جو اس نعمت سے بروقت فائدہ اٹھالے۔

☆ روزی کے طالبو! اولاد بھی روزی ہے، اور ایک روزی سے دوسری روزی کا دروازہ کھلتا ہے۔

☆ شراب، ناچ گانا، ٹی وی، وی سی آر، تصاویر اور بے پردگی زنا کے چور دروازے ہیں، ان سے کلی اجتناب کرو۔

☆ حلال وحرام یکساں نہیں، اگرچہ حرام کی کثرت لوگوں کو بھلی معلوم ہو۔

☆ تکبر: حق کو قبول نہ کرنا، اور دوسروں کو حقیر جاننا ہے۔

☆ کائنات اکیلے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے، پس اس کا ساجھی تجویز کرنا ناقابلِ معافی جرم ہے۔

☆ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دشمن اس خوش فہمی میں ہرگز نہ رہیں کہ وہ ہمیشہ مزے اڑاتے رہیں گے، ایک وقت کے بعد ان کا انجام برا ہونے والا ہے۔

☆ جب دل اندھے ہوجاتے ہیں، تو نصیحت سر پر سے گذر جاتی ہے، اور جب آنکھ اندھی ہوجاتی ہے، تو نشانی بے فائدہ ہوجاتی ہے۔

☆ لوگو! قرآن کریم کی قدر کرو، قرآن کریم وہ نعمت ہے، جو اپنے ماننے والوں کو دنیا میں بالانشیں اور آخرت میں خلد آشیاں بناتا ہے۔

☆ یہ خیال غلط ہے کہ رسول، خدائی اختیارات کا مالک ہوتا ہے، اس کا کام صرف پیغامِ حق پہنچانا ہے۔

☆ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے، فیصلہ کی جگہ نہیں، فیصلہ کا دن یومِ جزا ہے، جو جلد آرہا ہے۔

☆ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے کہ وہ اپنے دشمن کو بھی بڑا عیش دیتے ہیں، یہ ان کا قانونِ امہال ہے، اس سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔

☆ دنیا کا عیش چندروزہ ہے، یہاں جو کرنا ہے کرلے، انجام اِس کا فنا ہے۔

☆ دنیا کی فانی زندگی بنانے کی فکر نہ کرو، آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرو، اُس کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔

☆ کلمہ طیبہ جنت کی چابی ہے، اور نیک اعمال اس کے دندانے ہیں، اور چابی کام اسی وقت کرتی ہے، جب اس کے دندانے درست ہوں۔

☆ طالبِ علم کے لئے استاذ کی اطاعت اور فروتنی ضروری ہے، اس کے بغیر علم حاصل نہیں ہوتا۔

☆ جنت اللہ کی خوشنودی کا گھر ہے، اور وہ ان لوگوں کی میراث ہے، جو مؤمن ہیں، اور نیکی اور پاک بازی کی زندگی گزارتے ہیں۔

☆ ہر عمل میں اخفا افضل ہے، البتہ کسی عارض سے مثلاً: رفعِ تہمت یا امیدِ اقتداء وغیرہ سے اظہار کو ترجیح ہوجاتی ہے۔

☆ قرآن کریم رحمت ونور ہے، حسبِ استطاعت اس کی اشاعت وتلاوت کرنا آخری درجہ کی سعادت ہے۔

☆ قیامت اور موت کا وقت اس لئے مخفی رکھا گیا ہے کہ لوگ عمل سے غافل نہ ہوں، اور مسلسل محنت میں لگے رہیں۔

☆ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین دَارین کی بہتری کا ضامن ہے، پس لوگ اس کی قدر کریں۔

☆ جو لوگ قیامت کے دن زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں، وہ سوچیں کہ پہلی مرتبہ وہ کیسے زندہ ہوئے ہیں۔

☆ سچا ایمان جب کسی کو نصیب ہوتا ہے، چاہے ایک لمحہ کے لئے ہو، تو وہ ایسی روحانی قوت پیدا کردیتا ہے، کہ زبردست سے زبردست طاقت بھی اس کو مرعوب نہیں کرسکتی۔

☆ جو مؤمن موت کے ساتھ ہی جنت کا امیدوار ہے، اس کو فرائض سے غافل، اور کبائر میں ملوث نہیں ہونا چاہئے۔

☆ مظاہر پرستی والا ذہن کچا ذہن ہے، حقیقت پسندی والا ذہن ہی مثالی ذہن ہے۔

☆ آخرت دنیا کا عکس ہے، جو یہاں اندھا بنا ہوا ہے، وہ آخرت میں اندھا اٹھایا جائے گا، بلکہ اندھے سے بھی بدتر۔

☆ جو کفار رسول کا مرتبہ گھٹاتے ہیں، اور اس کو صرف اپنے جیسا انسان تصور کرتے ہیں، اور جو لوگ رسول کا مرتبہ بڑھاتے ہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا، یا عالم الغیب، مالک تصرف مانتے ہیں، وہ سب غلط ہیں، صحیح عقیدہ وہ ہے جو کلمہ شہادت میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

☆ مال و دولت اور زور وقوت کا نشہ اس وقت ہرن ہوجاتا ہے، جب عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہوتا ہے۔

☆ محفلِ کائنات میں باطل اچھل کود مچاتا رہتا ہے، مگر جب حق اس سے برسرِ پیکار ہوتا ہے تو وہ باطل کا سر کچل دیتا ہے۔

☆ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب کا معمولی کھٹکا بھی برداشت نہیں کرسکتا، مگر غفلت کا یہ حال ہے کہ اسبابِ عذاب ڈھیروں جمع کئے چلا جارہا ہے۔

تنخواہ کی واپسی

ناقل: مولانا عادل سعیدی پالن پوری

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ نے ۱۳۷۷ھ میں مظاہرِ علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، اور تین سال تک مظاہرِ علوم میں پڑھتے رہے، پھر ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں، جو کہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں سال ہے، دورہ حدیث کی تکمیل فرمائی، اور اول پوزیشن سے کامیابی حاصل کی، اس کے بعد مزید دو سال دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں لگائے، اور ۲۱/شوال ۱۳۸۴ھ کو دارالعلوم دیوبند سے گھر واپسی کی، ایک ہفتہ گھر رہنے کے بعد ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر، سورت، گجرات میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں، اور شعبان ۱۳۹۳ھ تک مسلسل نو سال دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھاتے رہے، اس کے بعد آپ کا دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، اور آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے آئے، شوال ۱۳۹۳ھ سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھانا شروع کیا، اور آخر تک دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس سے منسلک رہے۔

حضرت مفتی صاحب ابتدا ہی سے درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے رہے، کئی کتابیں دارالعلوم اشرفیہ کی تدریس کے زمانے میں لکھیں، اور جب آپ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے، تو یہاں بھی درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، آپ اپنی تمام تصانیف، اپنے ذاتی کتب خانہ مکتبہ حجاز سے شائع کرتے رہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ

نے کتب خانہ کے کاروبار میں خوب برکت دی، اس لئے آپ نے ۱۴۲۳ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینے کا سلسلہ موقوف کردیا، اور ۱۴۲۳ھ سے آخر تک بغیر تنخواہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک دارالعلوم دیوبند سے جوتیس سال تین ماہ تک تنخواہ لی، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم دیوبند کو واپس کردی، اسی طرح ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک دارالعلوم اشرفیہ سے جو نو سال تنخواہ لی ہے، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم اشرفیہ کو واپس کردی، جس کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

دارالعلوم اشرفیہ راندیر سورت گجرات
کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل

واپسی کی تاریخ: ۲۸/ اپریل ۲۰۰۳ء

مارچ ۱۹۶۵ء سے جنوری ۱۹۶۸ء تک: مبلغ پانچ ہزار سات سو چالیس روپے فقط (5740)۔

فروری ۱۹۶۸ء سے فروری ۱۹۷۰ء تک: مبلغ پانچ ہزار ایک سو پانچ روپے فقط (5105)۔

مارچ ۱۹۷۰ء سے فروری ۱۹۷۲ء تک: مبلغ چھ ہزار چھ سو روپے فقط (6600)۔

مارچ ۱۹۷۲ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ پانچ ہزار آٹھ سو پانچ روپے فقط (5805)۔

ٹوٹل: مارچ ۱۹۶۵ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ تیئیس ہزار دو سو پچاس روپے فقط (23250)۔

دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل

واپسی کی تاریخ: ۹/ صفر ۱۴۲۴ھ

شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ تک: مبلغ تینتیس ہزار دو سو ستر روپے فقط (33270)۔

واپسی کی تاریخ: 17/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ: مبلغ دس ہزار آٹھ سو اکیاسی روپے بارہ پیسے فقط (10881/12)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ: مبلغ دس ہزار پانچ سو تین روپے اٹھائیس پیسے فقط (10503/28)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ: مبلغ گیارہ ہزار چھ سو انہتر روپے چھہتر پیسے فقط (11669/76)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ: مبلغ گیارہ ہزار نو سو انچاس روپے ساٹھ پیسے فقط (11949/60)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ: مبلغ چودہ ہزار ایک سو اکتیس روپے چوالیس پیسے فقط (14131/44)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ: مبلغ بارہ ہزار دو سو سولہ روپے تینتیس پیسے فقط (12216/33)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ: مبلغ پندرہ ہزار ایک سو ستانوے روپے باون پیسے فقط (15197/52)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ: مبلغ سترہ ہزار باسٹھ روپے پچاس پیسے فقط (17062/50)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ: مبلغ بائیس ہزار دو سو ساٹھ روپے اڑتالیس پیسے فقط (22260/48)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ: مبلغ چوبیس ہزار پانچ سو ستر روپے چوبیس پیسے فقط (24570/24)۔

واپسی کی تاریخ: ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ: مبلغ چھبیس ہزار نو سو چھپن روپے اسی پیسے فقط (26956/80)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ: مبلغ انتیس ہزار چار سو بیس روپے سولہ پیسے فقط (29420/16)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ: مبلغ تیس ہزار گیارہ روپے باون پیسے فقط (30011/52)۔

ازمحرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ: مبلغ چوالیس ہزار آٹھ سو اڑتیس روپے فقط (44838)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ: مبلغ پینتالیس ہزار سات سو آٹھ روپے فقط (45708)۔

واپسی کی تاریخ: ۱۶/ رجب ۱۴۲۴ھ

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ: مبلغ چھیالیس ہزار پانچ سو اٹھتر روپے فقط (46578)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ: اڑتالیس ہزار چار سو چوالیس روپے فقط (48444)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ: مبلغ پچپن ہزار آٹھ سو چھیانوے روپے فقط (55896)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دو سو بیاسی روپے فقط (81282)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دو سو بیاسی روپے فقط (81282)۔

واپسی کی تاریخ: ۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ: مبلغ اٹھاسی ہزار تین سو چھپن روپے فقط (88356)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ: مبلغ اکیانوے ہزار آٹھ سو چھیانوے روپے فقط (91896)۔

از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ: مبلغ پچانوے ہزار چار سو چوبیس روپے فقط (95424)۔

ٹوٹل: شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک: مبلغ نو لاکھ انچاس ہزار آٹھ سو چار روپے پچھتر پیسے فقط (949804/75)

دارالعلوم اشرفیہ اور دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کا ٹوٹل: مبلغ نو لاکھ تہتر ہزار چون روپے پچھتر پیسے (973054/75)

دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم اشرفیہ سے لی ہوئی تنخواہ اسی سال واپس کی، جس سال دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینی بند کی، اور محرم ۱۴۲۴ھ سے تا وفات دارالعلوم دیوبند میں بغیر تنخواہ کے پڑھا رہے تھے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین

قال النبی کے نغمے سنائے گا کون اب

حیدر رمیواتی ندوی

سالارِ کارواں مرے حضرت سعید تھے
اسلاف کا نشاں مرے حضرت سعید تھے
دل کو یقیں نہیں ہے کہ وہ کہہ گئے وداع
شفقت کا سائباں مرے حضرت سعید تھے
دنیا میں چار سو ترا فیضان عام تھا
اک علم کا جہاں مرے حضرت سعید تھے
اخلاص و معرفت کا نمونہ کہیں جسے
محبوب طالباں مرے حضرت سعید تھے
باطل کو آپ دیتے تھے دنداں شکن جواب
حق گوئی کی زباں مرے حضرت سعید تھے
قال النبی کے نغمے سنائے گا کون اب
اب تک رواں دواں مرے حضرت سعید تھے
مردان حر میں آپ کا ہوتا رہا شمار
غیرت کا اک نشاں مرے حضرت سعید تھے
فرقت سے تیری، آنکھوں سے جھڑتا ہے آبشار
بے لوث دلبراں مرے حضرت سعید تھے
رنجور بلبلیں ہیں ، فسردہ ہوا چمن
سب تم سے شادماں، مرے حضرت سعید تھے
حق میں ترے دعا ہے کہ بخشش کرے خدا
آقا کے ترجماں ، مرے حضرت سعید تھے
دل دوز و کرب ناک ہے حیدر یہ سانحہ
سالار رہبراں مرے حضرت سعید تھے

”حضرت تو چلے گئے“

الوداع حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ

مولانا ممشاد علی صاحب قاسمی بانی جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور ضلع مظفر نگر

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کی وفات پر میرا دل انتہائی رنجیدہ تھا، اسی دوران ایک دن میں نے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ پالن پوری کو فون کیا تا کہ حضرت سے بات کر کے دل کو کچھ سکون محسوس ہو چوں کہ کسی بھی پریشانی کے وقت ان سے بات کر کے مجھے خوشی اور اطمینان محسوس ہوتا تھا، حضرت مفتی صاحبؒ حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ سے میرے قلبی تعلق کے بارے میں خوب جانتے تھے چنانچہ سلام کرتے ہی بولے ”حضرت تو چلے گئے“۔ یہ جملہ مفتی صاحب نے اس انداز میں فرمایا گویا اللہ تعالی نے حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو رمضان المبارک کے مقدس ایام میں خاص اہتمام کے ساتھ عمر بھر کی نیکیوں کا انعام دینے کے لئے بطور خاص مدعو فرمایا ہے، پھر اس کے بعد جس طرح مفتی صاحب نے تسلی دی اور بہت دیر تک دل جوئی کی باتیں کرتے رہے آج بیس سال کے بعد یاد آیا کہ رمضان کی یہی تاریخیں تھیں جب مفتی صاحب سے بات ہو رہی تھی۔

آج (۲۵ر رمضان کی صبح) جب برخوردار مولوی احمد ندوی سلمہ نے حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کے وصال کی اطلاع دی تو مفتی صاحبؒ کا وہی جملہ ایک دم کانوں میں گونج اٹھا اور زبان سے نکلا ”حضرت تو چلے گئے“۔ الوداع استاذ محترم الوداع......

آپ کو ماہ مبارک میں یہ جنت کا سفر مبارک ہزاروں لاکھوں محبین اور شاگردوں کے سلام اور بے شمار دعاؤں کے ساتھ الوداع، وہ دعائیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کا سلام جو ایک ایک کر کے نہ جانے کب تک آپ کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہیں گے، رب کریم کے حضور آپ کے رفع درجات کی دعا کرتے رہیں گے۔ دارالعلوم کی مسند تدریس کا سلام، نصف صدی تک جس کے وقار کی آپ نے حفاظت کی اور اس میں یادگار اضافہ کیا۔ یہ مسند برابر آپ کی واپسی کی منتظر تھی اور اب آپ کے چلے جانے سے بہت اداس ہوگی۔

دستار علم و فضل کے امین الوداع !\
اکابر کے جانشین الوداع !\
استاذ محترم الوداع !

افسوس اس وقت قلم رک رک کر چل رہا ہے، آنسو تیزی سے بہہ رہے ہیں اس لئے وہ سب تو شاید فی الحال نہ لکھ سکوں جو لکھنا چاہتا ہوں البتہ قلم برداشتہ کچھ باتیں اپنے محسن کی یاد میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے اور حضرت کے منتسبین کی خدمت میں تعزیت کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان ادارہ کی تدریسی تاریخ میں مقبولیت کی بلندی کو چھونے والے کامیاب ترین اساتذہ کی ایک مختصر سی فہرست بھی تیار کی جائے تو اس میں شیخ الحدیث حضرت

مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کا اسم گرامی شامل کئے بغیر وہ فہرست ادھوری رہے گی۔ انہوں نے تقریباً نصف صدی تک پڑھایا اور بہت عمدہ پڑھایا۔ ان کا بات سمجھانے کا فطری انداز سادہ زبان اور عام فہم اسلوب مشکل سے مشکل علمی گتھی کو بچوں کی دلچسپ کہانی کی طرح دل و دماغ میں اتار دیتا تھا۔

میں نے ان سے مؤطا امام مالک اور تکمیل میں عربی ادب کی ایک کتاب پڑھی، لیکن حضرت سے علمی استفادہ کا سلسلہ تاحیات قائم رہا، ان کی شفقتیں بھی اس ناکارہ پر ہمیشہ رہیں۔۲۰۱۲ء میں میری اہلیہ کا انتقال ہوا تو بخاری شریف کے درس کے بعد خصوصی دعا کا اہتمام فرمایا، ۲۰۱۷ء میں میرے بیٹے مولوی احمد ندوی کی شادی ہوئی تو نکاح پڑھا کر میری اور میرے بچوں کی عزت بڑھائی، ہمیشہ اچھے مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے دار الحدیث میں درس حدیث کے آخری دن مفتی صاحب کے ساتھ پیش آنے والا زباں بندی کا عارضہ بھی اب ایسا لگتا ہے گویا وہ حضرت مفتی صاحبؒ کیلئے ایک غیبی اشارہ تھا کہ آپ نے بہت پڑھایا اور حقیقت میں تدریس کا حق ادا کر دیا اب یکسو ہوکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایئے اور تسبیح و استغفار کے ذریعہ اللہ کے حضور اپنے درجات کو بڑھایئے۔

حالاں کہ اس وقفہ کے دوران بھی وہ برابر علمی و دینی رہنمائی اور احادیث کی موزوں تشریح کے ذریعہ امت کی رہبری فرماتے رہے، آخری ایام میں طلوع ثریا والی حدیث کے بارے میں ان کی باقاعدہ وضاحت بہت اہم تھی جس میں بعض اصحاب علم و فہم بھی مغالطہ میں پڑ گئے تھے، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کی ایسی عام فہم اور صحیح تشریح فرمائی کہ جس سے اہل علم کی بھی تشفی ہوگئی اور نو آموز طالع آزماؤں کی زبان و قلم کو بھی بریک لگ گیا جو اس حدیث کو بیان کر کے دعوے کر رہے تھے کہ ۱۰ مئی ۲۰۲۰ء کو ثریا ستارہ طلوع ہوگا اور کورونا وائرس دنیا سے ختم ہو جائے گا، یہ مفتی سعید احمد صاحب کی علمی شخصیت اور ان کے مدلل طرز بیان کا ہی اثر تھا کہ سب کو مطمئن کر دیا اور امت ایک فتنہ سے محفوظ ہوگئی۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ شمع علم کے ایسے پروانے تھے جو دن رات اسی کی دھن میں رہتے تھے، ان کی راتیں اسی کی طلب میں اور دن اسی کے شغف میں گزرتے تھے، شام و سحر علم کے ہی چرچے اور اسی کے مذاکرے رہتے تھے اور ان کا یہ ذوق جنوں بچپن سے شروع ہوکر زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

ان کا حافظہ اور علمی استحضار بہت مضبوط اور قابل رشک تھا جو ایک محدث کی امتیازی شان ہوتی ہے۔ یادداشت ایسی کہ جس سے تعارف ہو جاتا اس کی بتائی ہوئی (ذاتی زندگی) کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی یاد رکھتے اور بعد کی ملاقاتوں میں از خود اس کا تذکرہ کرتے جس سے مخاطب کو سکون اور تسلی ہوتی تھی۔

سفر میں وہ کتابوں کا تھیلا ساتھ رکھتے تھے، ہم نے دارالعلوم میں اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب مظفر نگر سے دیوبند کیلئے بس میں سفر کر رہے تھے ہم بھی اسی بس میں سوار تھے، وہ پورے راستہ مطالعہ میں مشغول رہے پھر دیوبند بس سے اترتے وقت وہ کتاب تھیلے میں ڈالی جس میں اور بھی کوئی کتاب کاپی وغیرہ تھیں، وہ تھیلا کاندھے پر لٹکایا اور چل دئے، اس زمانہ میں کپڑے کا تھیلا ہی ان کے ساتھ رہتا تھا جس میں کتابیں اور پڑھنے لکھنے کا سامان ہوتا تھا، بعض حضرات دوسروں پر اپنے علمی رعب اور کثرت مطالعہ کی دھاک بیٹھانے کیلئے مجلس میں کتاب لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ایک منٹ بھی مطالعہ سے فراغ نہیں، حضرت مفتی صاحب کو ایسے مصنوعی مطالعہ میں کبھی مشغول نہیں دیکھا، وہ سنجیدہ مطالعہ ہمیشہ تنہائی میں ہی کرتے تھے اور جہاں اہل علم یا ان کے شاگرد جمع ہوں وہاں سوال و جواب اور ان کی دلچسپ علمی گفتگو ہی حاضرین کیلئے حاصل مطالعہ بن جاتی تھی، وہ بہت سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرنے کے عادی تھے، کسی کو مشورہ دیتے تو وہ بھی

صاف دلی کے ساتھ،لفاظی سے پاک،ہمدردی سے بھرپور،مفید اورقابل عمل ہوتا تھا۔

شاگردوں کوبھی وہ اسی کی ترغیب دیتے تھے کہ علمی سوال جو بھی ذہن میں آئے پوری صفائی اور بے تکلفی سے معلوم کریں، علمی سوالات کرنے والے سے بہت خوش ہوتے تھے اوراس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے،سبق میں سوال کی پرچی دینے کا جو رواج ہے مفتی صاحبؒ اس کے خلاف تھے،مؤطا امام مالکؒ کے درس کے دوران ہمارے ایک ساتھی نے اسی طرح ایک پرچی بھیجی تو فرمایا کہ یہ طریقہ صحیح نہیں،آپ کو جوبھی پوچھنا ہے سب کے سامنے بے جھجک پوچھئے پرچی میں تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر میں جواب دینا چاہوں گا دے دوں گا نہ دینا چاہوں گا تو پرچی دبا کے رکھ لوں گا،آپ سب کے سامنے زبانی پوچھیں اس سے سوال کرنے کی جرأت بھی پیدا ہوگی،مفتی صاحب طلباء میں طلب علم کا شوق پیدا کرنے کے لیے اپنی طالب علمی کے واقعات بھی سناتے رہتے تھے۔

ایک بارسبق کے دوران بتایا کہ مظاہر علوم سہارنپور میں امتحان کے دوران میں نے دن رات جاگ کرامتحان کی تیاری کی تقریبا ایک ہفتہ سونے کا وقت نہیں ملا،بس معمولی آرام کرلیتے تھے،پھرامتحان ختم ہونے کے بعد میں کمرے میں سوگیا کیونکہ نیند رکی ہوئی تھی اس لیے تین دن تک سوتا رہا اتفاق سے اس دوران کسی نے اٹھایا بھی نہیں۔

صاحب ترمذی نے قیلولہ کرنے والے کے لئے قائلۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے ایک طالب علم عصر کے بعد گھر آئے اور پوچھنے لگے کہ قائل ہونا چاہئے قائلۃ کیوں کہا؟ مفتی صاحب نے بتایا کہ قائل کے معنی تو بات کہنے والے کے آتے ہیں قیلولہ کرنے والے کیلئے قائلۃ ہی موزوں ہے،پھرفرمایا کہ تمہیں صاحب ترمذی پر اعتراض کرنے کے بجائے ان سے سیکھنا چاہیے کہ انہوں نے زبان کا استعمال کس طرح کیا ہے اورکون سا لفظ کہاں کس طرح برتا ہے ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ ان کے الفاظ پراعتراض نہیں بلکہ اس کو مثال بنانا چاہیے کہ صاحب ترمذی نے ایسے کہا ہے،

حضرت مفتی صاحب سبق میں بتاتے تھے کہ سبق پڑھانے کے لئے مطالعہ کا میرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی کتاب مجھے پڑھانے کے لئے ملتی ہے تو اس کا پوری توجہ سے مطالعہ کرکے اس میں سے سبق میں جو باتیں بتانی ہوتی ہیں وہ سب اہم اور خاص باتیں اور حوالہ جات ایک کاپی میں نوٹ کرتا رہتا ہوں،ہرکتاب کی الگ کاپی بناتا ہوں،پھراگلے سال جب وہی کتاب پڑھانی ہوتی ہے تو اس کاپی کو دیکھ لیتا ہوں اور مطالعہ میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی،اس سے وقت کی بھی بچت ہوتی ہے اورسہولت بھی ہوتی ہے مگراس سلسلے میں طلباء کا جو تجربہ تھا وہ بہت خوشگوار تھا عربی ادب میں ہمارا ایک ساتھی جو گزشتہ سال ساعت کر رہا تھا اور اب ہمارے ساتھ باقاعدہ داخلہ کے ساتھ پڑھ رہا تھا وہ بتاتا تھا کہ گزشتہ سال یہی باتیں مفتی صاحب نے دوسرے انداز میں سمجھائی تھیں اوراس سال بہت سی نئی باتیں بتارہے ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ وہ رٹا رٹایا سبق نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ہرسال بہتر سے بہتر،نئے اسلوب اورآسان علمی تشریح کے لئے کوشاں رہتے تھےاورکاپی صرف اس لیے بناتے تھے تاکہ سابقہ مطالعہ ومعلومات ونتائج محفوظ رہیں۔

مفتی صاحب سلام میں ہمیشہ پہل کرتے تھے ہمارے زمانہ طالب علمی میں جب وہ گھر سے دارالعلوم میں تشریف لاتے تو ہم نے ایک دوبار جان بوجھ کرکوشش کی کہ ان سے پہلے سلام کرلیں لیکن کامیاب نہ ہوسکے ان کی یہ خصوصیت سب کومعلوم تھی۔

وہ اپنے طلباء کو ایسی باتیں بھی بتاتے تھے جو بظاہر بہت معمولی لگتی تھیں لیکن ان کا عملی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہوتا تھا ایک بار بتایا کہ میرا معمول ہے کہ گھر میں سبزی سالن جوبھی بنتا ہے کھا لیتا ہوں کبھی خود بازار سے نہیں لاتا لیکن اگر مجھے اپنی ذاتی ضرورت کی کوئی چیز مثلا ہاتھ کا پنکھا لینا ہوتا ہے تو خود بازار جاکر

لاتا ہوں کسی اور سے نہیں منگاتا۔

اپنے سفر کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ میں ٹرین میں سفر کررہا تھا، نماز کا وقت ہوا تو مصلی بچھا کر نماز پڑھنے لگا، اس مصلی پر خانہ کعبہ کی تصویر بنی ہوئی تھی، چند ہندو حضرات وہاں بیٹھے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ مسلمان کس کی پوجا کرتے ہیں، ایک ہندو نے خانہ کعبہ کی تصویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا: اس کی ..... مجھے یہ بات بہت ناگوار گزری کہ کتنی بڑی غلط فہمی پیدا ہورہی ہے، اس کے بعد میں سفر میں خانہ کعبہ کی تصویر والا مصلی استعمال کرتا ہوں تو اس پر کوئی کپڑا ڈال لیتا ہوں۔

1998 میں میری کتاب "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: اکابر و مشاہیر امت کی نظر میں" آئی تو مفتی صاحب نے کتاب پڑھ کر ایک آدمی کے ذریعہ پیغام بھیج کر مجھے بلایا میں حاضر ہوا تو فرمایا میں نے تمہیں مبارکباد دینے کے لیے بلایا ہے آپ نے اتنی اعلی اور عمدہ زبان لکھی ہے، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ دارالعلوم کے کسی فاضل نے اتنی پیاری اور ایسی شاندار زبان لکھی، پھر تقریبا ایک منٹ کی خاموشی کے بعد پوچھا: آپ ندوہ میں پڑھے ہو؟ میں نے کہا نہیں میں یہیں دیوبند میں دارالعلوم میں ہی پڑھا ہوں۔ بولے پھر تم نے ندوی زبان کہاں سے سیکھی؟ اس بات پر مجھے ہنسی آگئی، میں نے کہا کہ حضرت کیا اچھی اردو صرف ندوۃ العلماء کے فضلاء ہی لکھ سکتے ہیں، فرمایا کہ ہاں ندوہ مسلمانوں کی زبان ہوشمند تو ہے ہی، وہاں کی اردو کی ایک الگ پہچان ہے۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت اس پر مجھے حضرت مولانا علی میاں صاحب کی ایک بات یاد آرہی ہے حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عربی زبان جتنی بھی پڑھی ہے وہ سب ندوۃ العلماء میں ہی پڑھی ہے، کسی بھی عرب یونیورسٹی میں ایک لفظ بھی نہیں پڑھا اور مجھے عرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں اور شاہی اجتماعات سے خطاب کرنے کا بارہا موقع ملا، لیکن الحمدللہ مجھے کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اگر میں عرب ملک کی کسی یونیورسٹی میں پڑھتا تو اس سے بہتر عربی بول سکتا تھا، تو حضرت میں نے بھی جو کچھ سیکھا وہ دارالعلوم سے ہی سیکھا۔ ندوہ میں الحمدللہ حضرت مولانا علی میاں صاحب کی وجہ سے برابر آنا جانا ہے لیکن کبھی دل میں خیال نہیں آیا کہ اگر ندوہ میں پڑھتا تو اس سے بہتر لکھ سکتا تھا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے یہ کتاب جب مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء کو پیش کی (جو ندوۃ العلماء کے وقار و اعتماد کے اہم ستون تھے اور بلاغت و انشاء میں بھی ان کا ایک بڑا مقام تھا) تو انہوں نے کتاب کو دیکھنے کے بعد سر پر رکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں یہاں مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اگر پوری ندوی برادری مل کر بھی ایسی کتاب لکھنا چاہتی تو کم از کم اس سے بہتر نہیں لکھ سکتی تھی، یہ باتیں سن کر حضرت مفتی صاحب اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ کھل اٹھا، پھر فرمایا کہ ہاں پہلی بار دارالعلوم کے کسی فاضل نے اتنی عمدہ اردو لکھی ہے آپ واقعی دارالعلوم کے تمام فضلاء کی طرف سے مبارکباد کے قابل ہیں، آپ نے دیوبند میں پڑھ کر اتنی شاندار اردو سیکھی، ہمارے اکابر نے تو سادہ زبان ہی لکھی ہے، یہ مولانا نور عالم امینی صاحب جو عربی لکھتے ہیں یہ بھی دیوبند والی عربی نہیں یہ ندوی عربی ہے، ندوہ میں زبان کا معیار واقعی بلند ہے ہمارے اکابر نے ایسی عربی اور اردو نہیں لکھی آپ حضرات کے لئے یہ اللہ تعالی کا انعام ہے میں نے آپ کو اسی لئے خاص طور پر بلایا تھا کہ آپ کو مبارکباد پیش کروں میں نے کہا حضرت میں اس کو صحیح نہیں مانتا کہ دیوبند میں رہ کر آدمی ندوہ جیسی اردو نہیں سیکھ سکتا طلب ہو تو ضرور سیکھ سکتا ہے

اس ملاقات کے تقریبا دو ہفتے بعد میں لکھنؤ گیا تو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کو حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات اور پوری گفتگو سنائی حضرت بہت خوش ہوئے اور "ندوہ والی اردو" کی بات جب میں نے بتائی تو حضرت کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور بہت دیر تک اس گفتگو سے محظوظ ہوتے رہے۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کا دل تو بڑا تھا ہی، یہ بھی ان کا بڑا پن اور وسیع نظری تھی کہ مجھ جیسے شاگرد کی کتابیں اور مضامین بھی پڑھتے تھے اور کئی بار از خود فون کر کے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے حوصلہ افزائی اور مناسب رہنمائی فرماتے تھے، وہ کسی کے اعتراف کمال میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے،اسی طرح بڑے سے بڑے یا قریب سے قریب کسی آدمی کی خامی اور غلطی کے اظہار میں بھی ذرہ برابر رعایت نہیں کرتے تھا، ان کی یہ صاف گوئی ان کے علمی رسوخ کی علامت تھی۔

کوئی کسی مسجد کے لئے امام اور خطیب یا کسی مدرسے کے لئے مدرس بھیجنے کی درخواست کرتا تو پہلے دارالعلوم میں اس کے لئے اعلان کراتے تاکہ جو خواہش مند ہوں سب کو معلوم ہو جائے پھر جو چاہتا اس کو بلا کر اس کا امتحان خود لیتے تھے، خطابت کے امیدوار سے تقریر بھی کراتے اور خود سنتے تھے، جب تسلی ہو جاتی تب بھیجتے تھے وضع قطع پر خاص نظر رہتی، ایک دفعہ گجرات کے ایک بڑے مدرسہ میں ختم بخاری شریف کے بعد دستار بندی کی تقریب تھی، میں بھی حاضر تھا، حضرت مفتی صاحبؒ دستار بندی فرما رہے تھے تو ایک طالب علم نے داڑھی تراشی ہوئی تھی، اس کا نمبر آیا تو مفتی صاحب نے اس کی دستار بندی خود نہیں کی، ساتھ والے ایک اور صاحب سے کرادی، پھر بیان میں بھی اس کا اظہار فرمایا طالب علم کا اگر چہ نام نہیں لیا، لیکن ذمہ دار حضرات کو متوجہ کرنے کے لیے اجمالی تذکرہ ہی کافی تھا۔

ہم سب کی تمنائیں اور دعائیں تھیں کہ حضرت کا سایہ تادیر قائم رہے اور وہ جلد شفایاب ہو کر علمی و دینی حلقوں کی اسی طرح رہنمائی و سرپرستی فرماتے رہیں لیکن اللہ تعالی جو چاہتا ہے، کرتا ہے وہ قادر مطلق اور بے نیاز ہے۔ ہمیں اس کے فیصلوں پر سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ پاک حضرت الاستاذ المحترم کے درجات بلند فرمائے اور اپنی شایان شان اجر سے نواز کر اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کے
سانحہ ارتحال پر دعائیہ کلام

مولانا حیدر میواتی ندوی

مرے استاذ کا نعم البدل مولا عطا کردے
چمن میں ہم نوا ان سا کوئی نغمہ سرا کردے

زمیں گریہ کناں ہے آسماں نالاں ہے فرقت میں
لگا جو زخم ہے دل میں خدا اس کی دوا کردے

چراغ مصطفٰے اب گل ہوا جاتا ہے گلشن میں
تو اپنے نور سے اس کی ضیا مولا سوا کردے

گیا باطل شکن، ایوان باطل میں چراغاں ہے
مرے مولا ہمیں پھر اک عطا شعلہ نوا کردے

سلوک و معرفت کی آج گلیوں میں ہے خاموشی
تو پھر آباد ویرانے میں اک شہر وفا کردے

ہجوم عاشقاں دیدار کو بے تاب رہتا تھا
مرے استاذ کا ثانی کوئی جلوہ نما کردے

ہزاروں تشنگان علم و فن نے فیض پایا تھا
تو پیدا ان کے جیسا نکتہ داں اک رہنما کردے

سنائے حال دل کیسے، ہے مجبور نوا حیدرؔ
خدایا مغفرت حضرت کی، صدقے مصطفٰے کردے

عالم گیر ماتم

حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات پر دنیا بھر کے مشاہیر علماء کے

تعزیتی پیغامات

☆ ☆ ☆

شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم

''...........السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی وفات کی خبر سے انتہائی صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کافی دن سے بیمار تھے، لیکن ساتھ ساتھ شفایابی کی بھی خبر آ رہی تھی، امید لگی ہوئی تھی، لیکن افسوس ہے کہ اس حادثہ کی اطلاع ملی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات قبول فرمائے، اور تمام پسماند گان کو جس میں ساری امت داخل ہے، صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے، برائے کرم مجھے مولانا قاسم احمد صاحب پالن پوری جو ان کے صاحبزادہ ہیں ان کا ٹیلی فون نمبر عنایت فرمادیں، تاکہ میں ان سے اپنی تعزیت کا اظہار کرسکوں بہت صدمہ محسوس کررہا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو صبر جمیل کی اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی زرولی خانصاحب دامت برکاتہم

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ انتقال کرگئے، بہت بڑے عالم تھے اور کئی قیمتی کتابوں کے مصنف تھے، اللھم اغفرلہ و اغفرلہ وارحمہ وارفع درجاتہ فی اعلی العلیین، اللھم ثقل لہ فی میزانی، وتقبل لہ حسنات واعف عنہ زلاتہ وخطیئتہ وجمیع سیئاتہ وارزقہ شفاعۃ محمدﷺ

یوم القیامۃ مقبولۃ ومبرورہ. ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا، ربنا انک رؤف رحیم. وصلی اللہ تعالی خیر حافظا وھو ارحم الرحمین. اللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد.

☆ ☆ ☆

الشیخ براء حنبلی حفظہ اللہ (ترکی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی وبرکاتہ

معکم محمد براء الحنبلی الدمشقی من طلباء الشیخ وخدامہ فقد اکرمنی اللہ سبحانہ وتعالی عن حیثت بشرف خدمت مولنا الشیخ الحجہ العالم المحدث الفقیہ مولانا الشیخ سعید احمد البالنبوری فی مدت زیارتہ فی ترکیا حیث اکرمنا اللہ سبحانہ و تعالی بقرأت المؤطاء برویۃ الامام محمدؒ وقرأت الثلاثیۃ لامام البخاریؒ والیوم وفی صباح ھذا الیوم فجئۃ الامۃ الاسلامیۃ بعصرھابخبر وفات الشیخنا وسیدنا مولنا الشیخ سعید احمد البالنبوری فقط صرما اھل الاسلام ظلمۃ بوفات ھذا الامام العامر العامل نسئل اللہ سبحانہ تعالی ان یجعلہ اللہ فی الفردوس الاعلی مع الحبیبی المصطفی ﷺ ونعذ ابنائہ واحبابہ وطلبہ ونعذ الامۃ الاسلامیۃ بعصرھا بوفاتہ ولانقول الاما یرضی اللہ سبحانہ وتعالی ان للہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اللھم انا نسئلک ان ترفع عن شیخنا عن تذیھنا عن شیخنا عذاب القبر وعن تجعل قبرہ روضۃ من روض الجنۃ اللھم اغسلہ ماء والثلج والبرد ونقھیہ من الخطایا کما ینقی الثوب من الدنس، ونقھیہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس اللھم الوسع فی مدخلہ اللھم مدلہ فی بصرہ

نعیما فی قبرہ یا رب العالمین و صلی اللہ تعالی علی محمد وعلی الہ و اصحابہ اجمعین

☆ ☆ ☆

حضرت اقدس مولانا سید رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ بہت ہی المناک خبر تھوڑی دیر پہلے معلوم ہوئی کہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ جو دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور وہاں کے بڑے استاد تھے، اوران کی وجہ سے تعلیم ودین کا وقار قائم تھا،لوگ ان سے مستفیذ ہو رہے تھے وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے پہلے ان کی بیماری کی خبرسنی تھی، امید کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عمر دراز عطا فرمائیں گے لیکن منظور یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو بلا لیا،انہوں نے اعمال حسنہ اور دینی خدمات کا کام خوب انجام دیا اللہ تعالیٰ ان کو اس کا بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے متعلق ان کا نعم البدل عطا فرمائے،ادھر کافی مدت سے ایسے واقعات کئے ہوئے ہیں کہ معتدل شخصیات جن سے امت کو بڑی تقویت حاصل تھی، وہ اس دنیا میں نہیں رہیں،اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے،ان کے جو کام ہیں انہوں نے جو خدمت انجام دی ہیں اس کو ہم یاد کر کے اس سے فائدہ اٹھائیں، خاص طور وہ طلبہ جنہوں نے ان سے علم حاصل کیا اور امسال کے فارغین طلبہ ان کی تدریس کا جو اختتام تھا وہ بھی عجیب ہوا ہے،طبیعت پر اس کا بڑا اثر ہوا کہ وہ دعا نہ کرا سکے،اللہ تعالیٰ ہر چیز مقدر کرتا ہے،ان سے ہمارا اچھا تعارف تھا مدرسہ کی بنیاد پر بھی ان سے ملاقات ہوتی تھی اوران سے بڑا اقرب بھی معلوم ہوتا تھا اوران سے ایک تعلق معلوم ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقصان اور تلافی کی توفیق عطا فرمائے،ہم ان کے پسماندگان سے تعزیت پیش کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

اے اللہ! ہمارے استاد مکرم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی بھر پور مغفرت فرما اور اپنی رحمتوں کو ان پر کھول دے ، یا اللہ انہوں نے جو علمی خدمت کی اور اس میں جو حصہ لیا ہے اس کا بہترین بدلہ انہیں عطا فرما دیجئے،اے اللہ ان سے راضی ہو جا،ان پر اپنا خصوصی فضل فرما،اے اللہ ان کے سارے شاگردوں کو اور ان کی تمام تصنیفات کو صدقہ جاریہ بنا،اپنی بارگاہ میں حسن قبول عطا فرما،اس سے خوب اپنے بندوں کو فائدہ پہنچا،زیادہ سے زیادہ ثواب ان کو پہنچا،ان کے درجات کو بلند فرما،ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما، یا اللہ اپنا فضل کا معاملہ فرما۔آمین

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

مولانا سعید احمد پالن پوری صاحب کے انتقال کی خبر انتہائی اندوہناک ہے،مولانا مرحوم طلبہ میں مقبول استاذ اور علمی ذوق و مزاج کے انسان تھے دیوبند میں بحیثیت مدرس آنے کے ساتھ ہی کتابوں کا اچھا ذخیرہ خرید لائے اور نشر واشاعت کا ادارہ قائم کر لیا جہاں سے ان کی اپنی تصنیفات اور درسی تقریروں کے مجموعے شائع ہوتے رہے،انھوں نے شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کی بعض کتابوں پر اپنی تعلیقات اور تراجم شائع کئے ہیں، جن میں حجۃ اللہ البالغۃ اور حضرت نانوتوی کی تحذیر الناس خاص طور پر قابل ذکر ہیں،الفوز الکبیر کی عربی شرح العون الکبیر کے نام سے وہ پہلے ہی لکھ چکے تھے،وہ باحوصلہ اور محنتی آدمی تھے اور دارالعلوم کی تاریخ کا جو مرحلہ انھیں ملا اس میں طلبہ ان کے درس سے مانوس اور ان کے گرویدہ رہے، صحیح بخاری اور سنن ترمذی کے ان کے دروس کی ضخیم جلدیں مدارس کے حلقہ میں مقبول ومتداول ہیں، باکمال شاعر وادیب وعالم کاشف الھاشمی صاحب کی عوام کیلئے نہایت آسان تفسیر ہدایت القرآن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مکمل نہ ہو سکی تو اس کی تکمیل کا حوصلہ بھی مولانا پالن پوری ہی نے کیا، دونوں کے انداز اور زبان میں فرق طبعی بات

ہے، احاطہ مسجد میں واقع کمروں میں کچھ عرصہ تک ہم دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی بھی رہے ہیں، اجلاس صد سالہ میں ایک کیمپ کی نگرانی ان کے ذمہ تھی، وہاں رونما ہونے والی سرگرمیوں پر انھوں نے سخت تشویش کا اظہار کیا تھا، اس کے بعد راہیں الگ ہو گئیں، برسوں کے بعد جب میری دیوبند میں آمد ہوئی، مہمان خانہ میں انتہائی تپاک سے ملے اور حجۃ اللہ البالغۃ کے اپنی تحقیق والے عربی نسخہ کے ساتھ بعض دوسری تصنیفات ہدیہ کے طور پر دیں، مولانا نور صاحب اور بعض دوسرے ملنے والوں سے بھی غائبانہ ان کی طرف سے ذکر خیر کی خبریں ملتی رہتی تھیں، ظاہر ہے کہ کسی بھی عالم کی ہر تحقیق سے نہ اتفاق کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کے ہر رجحان کی تائید، لیکن بات وہی ہے:

من ذا الذی ماساء قط　　ومن لہ الحسنی فقط

صحت تو ان کی مدت سے خراب تھی، ختم بخاری کے دن کی کیفیت کے بعد بظاہر ان کی حالت سنبھل نہیں سکی اور آج اپنے ٹھکانہ سے دور ممبئی میں ان کی روح پرواز کر گئی، وماتدری نفس بأی ارض تموت ۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (حیدرآباد)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ مقبول مدرس، صاحب نظر مصنف اور ایک عظیم محقق تھے، انھوں نے نصف صدی سے زیادہ درس نظامی کی منتہی کتابوں کا درس دیا، اور طویل عرصہ تک بخاری اور ترمذی جیسی حدیث کی اہم کتابیں نہایت کامیابی کے ساتھ پڑھائیں، پوری دنیا میں ان کے تلامذہ مختلف جہتوں سے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، عام طور پر تدریس کے پیشہ سے وابستہ اہل علم تصنیف وتالیف کی طرف کم توجہ کر پاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دوہری صلاحیت کا امتزاج بنایا تھا، انھوں نے اکثر اسلامی اور عربی علوم پر قلم اُٹھایا، بخاری شریف اور ترمذی شریف کی بہت سی اردو شرحیں برصغیر میں لکھی گئی ہیں؛ لیکن اس سلسلہ میں ان کی کاوش کو جو قبولیت حاصل ہوئی، کم ہی کسی مصنف کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی، مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اپنے موضوع پر ایک بے نظیر مگر دقیق کتاب سمجھی گئی ہے، آپ نے بہت خوش اسلوبی کے ساتھ اس کی شرح فرمائی ہے، جس نے اس سے استفادہ کو آسان کر دیا ہے انھوں نے ہدایت القرآن کے نام سے قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھی ہے جو اساتذہ وطلبہ اور عام اصحاب ذوق کے لئے فہم قرآن کی بہترین کلید ہے، درس وتالیف کے علاوہ دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کے خطابات بھی ہوا کرتے تھے، اور ان کے بیانات پر بھی علمی رنگ حاوی ہوتا تھا، وہ واقعی علوم اسلامی کے دُرِّ تابندہ تھے، ان کی وفات سے پوری علمی دنیا کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، اور امت کو ان کا بدل عطا کرے۔

۲۵؍رمضان المبارک　　　خالد سیف اللہ رحمانی

☆ ☆ ☆

مفتی روشن شاہ قاسمی، دارالعلوم سونوری اکولہ (مہاراشٹر)

ملک کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کی مقبول ترین شخصیت شیخ الحدیث، صدرالمدرسین، دیوبند کے عظیم ستون اور سیکڑوں خوبیوں سے مالا مال ایک مجسمہ انسانیت حضرت مفتی سعید احمد پالن پوریؒ اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر اپنی نیکیوں اور خوبیوں کا صلہ پانے کے لئے اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہو گئے، اور اپنے پیچھے اپنے چاہنے والوں کو رنج وغم اور حسرت کا ایک سلسلہ چھوڑ گئے۔ اس حقیر کو ان سے الحمد للہ ترمذی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہے، ان کی مجھ چھوٹے پر بڑی شفقتیں تھیں، اس حقیر کی کوئی تصنیف منظر عام پر آتی، حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں ہدیۃً روانہ کرتا تو وہ بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔ ان کی وفات سے واقعی ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

ایک نابغۂ روزگار شخصیت

ڈاکٹر محمد کلیم علیگ پرنسپل، مدرسہ بشارت القرآن ہردوئی
Email:mohdkaleem31@gmail.com

[نوٹ: مقالہ نگار نے ''علم حدیث میں فضلائے دارالعلوم دیوبند کی خدمات'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے]

دارالعلوم دیوبند ہندوستان کا ایک عظیم ادارہ ہے جس نے جیدالاستعداد اساتذہ اور مختلف علوم وفنون کی ماہر شخصیات پیدا کی ہیں، فضلائے دارالعلوم دیوبند علوم وفنون ، درس و تدریس، اصلاحی وسماجی میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے ہیں، ان فضلاء میں بڑے خوش قسمت وہ فارغین ہیں جنہیں دارالعلوم سے استفادہ کے بعد وہیں درس وتدریس کا فریضہ بھی انجام دینے کی سعادت ملی اور ان میں کچھ ایسے باصلاحیت اور صاحب استعداد اساتذہ ہوئے جودرس وتدریس کے اعلیٰ مناصب پرفائز ہوئے اورانہیں دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث و صدرالمدرسین منتخب کیا گیا یہ اعلیٰ مناصب ان کی قابلیت و صلاحیت اور علمی استعداد کا بہترین ثبوت ہیں۔حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ بھی انہیں چنندہ اور منتخب شیوخ حدیث اورصدورمدرسین میں سے تھے۔دارالعلوم دیوبند کے اس اعلیٰ منصب پرشیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، علامہ انورشاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ، مولانا نصیر احمد خاںؒ فائز رہ چکے تھے۔مولانا شیخ نصیر احمد خاں کے انتقال کے بعد ذمہ دارانِ دارالعلوم نے اس اعلیٰ اوراہم منصب کیلئے مفتی سعید احمد پالن پوریؒ کا انتخاب کیا آپ کی شخصیت عصر حاضر کی اہم شخصیت تھی، مختلف علوم وفنون میں آپ کومہارت تامہ حاصل تھی۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی آپ کی خدمات مُسلَّم ہیں۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث صدرالمدرسین اور اہم علمی ودینی شخصیت کے مالک تھے۔آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں ہوئی، کالیڑہ پالن پور کی ایک مشہور بستی ہے،آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد یوسف، دادا کا نام محمد علی ہے جو احتراماً علی جی کہلاتے تھے،آپ کا خاندان ڈھگّا اور برادری مومن ہے۔والد محترم نے آپ کی بسم اللہ کرائی،اس کے بعد ناظرہ اوردینیات وغیرہ کی تعلیم آپ نے وطن کے مکتب میں حاصل کی۔پھرآپ دارالعلوم ''چھاپی'' تشریف لے گئے اوروہاں فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں،اوراس میں چھ مہینہ تک پڑھنے کے بعد آپ پھر مولانا نذیر احمد پالن پوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے اوروہاں عربی درجہ کی شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔وہاں محمد اکبر میاں پالن پوری اورمولانا ہاشم بخاری آپ کے خاص استاذ تھے۔ ۱۳۷۷ھ میں آپ نے سہارن پور،مظاہرعلوم میں داخلہ لے کر تین سال امام نحو والمنطق مولانا صدیق احمد جموی قدس سرہ سے

نحواور منطق وفلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں۔پھر ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حدیث و تفسیر اور فقہ کے علاوہ دیگر کئی فنون کی کتابیں آپ نے یہیں پڑھیں۔۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے۔پھر اگلے تعلیمی سال میں شعبۂ افتاء میں آپ کا داخلہ ہوا اور آپ نے فتاویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں جن مشاہیر سے علمی استفادہ کیا،اس کی تفصیل خود یوں بیان فرماتے ہیں:

’’خاکپائے علماء:-سعید احمد بن یوسف بن علی بن جیوا (یعنی یحییٰ) بن نور محمد پالنپوری، گجراتی ثم دیوبندی،تاریخ ولادت محفوظ نہیں،والد ماجد رحمہ اللہ نے،اندازہ سے ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء بتائی ہے،درالعلوم دیوبند میں داخلہ ۱۳۸۰ھ میں لیا،اور ۱۳۸۲ھ میں فاتحۂ فراغ پڑھا،بخاری شریف حضرت فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ سے،مقدمۂ مسلم شریف ومسلم شریف کتاب الایمان وترمذی شریف جلد اول حضرت علامہ بلیاویؒ سے،باقی مسلم شریف،حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ بلندشہری سے،ترمذی جلد ثانی مع کتاب العلل وشمائل اور ابوداؤد شریف،حضرت علامہ فخر الحسن مرادآبادیؒ سے، نسائی شریف حضرت مولانا محمد ظہور صاحبؒ دیوبندی سے،طحاوی شریف حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہؒ جہاں پوری سے،مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ دیوبندی سے،ان کے انتقال کے بعد جلد اول حضرت مولانا عبدالجلیل صاحبؒ دیوبندی سے،اور جلد دوم حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ اعظمی سے پڑھی،اس سال موطا مالک حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اور موطا محمد حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ دیوبندی کے پاس تھی‘‘۔؎۱

ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان المعظم ۱۳۹۳ھ تک دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں آپ نے ابوداؤد،ترمذی،طحاوی، شمائل،موطین،ابن ماجہ،مشکوٰۃ شریف،جلالین شریف مع الفوز الکبیر،ترجمہ قرآن کریم،ہدایہ آخرین،شرح عقائد نسفی اور حسامی وغیرہ پڑھائیں،اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔پھر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز رکن مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تجویز پر شوال ۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۹۳ھ سے ۱۴۲۹ھ تک مسلم الثبوت،ہدایۃ اول،ثالث، سلم العلوم،ہدیہ سعدیہ،جلالین شریف نصف اول مع الفوز الکبیر، ملاحسن،شرح عقائد جلالی،جلالین شریف نصف ثانی،مسامرہ، دیوان متنبّی،میبذی،تفسیر بیضاوی،مشکوٰۃ شریف جلد ثانی،نخبۃ الفکر،حسامی سبعہ معلقہ،ہدایہ رابع ثانی،موطا امام مالک،دیوانِ حماسہ،تفسیر مظہری،سراجی،نسائی شریف،تفسیر مدارک،موطا امام محمد،ترمذی شریف جلد اول،ابوداؤد شریف،بخاری شریف جلد ثانی،طحاوی شریف وغیرہ اس کے بعد سے آپ ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف کے اسباق سالہا سال تک پڑھاتے رہے،پھر دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کی علالت کے بعد ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء سے بخاری شریف جلد اول کا درس بھی آپ سے متعلق کردیا گیا،اس وقت آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین تھے۔آپ کی درس حدیث کی خصوصیات ومقبولیت کے بارے میں فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات کے مصنف لکھتے ہیں:

’’دارالعلوم میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے کے ساتھ سالہاسال سے ترمذی شریف جلد اول اور طحاوی شریف کے اسباق آپ سے متعلق ہیں،آپ کے اسباق بے حد مقبول،مرتب اور معلومات سے بھرپور ہوتے ہیں،طلباء کو عموماً آپ کی تقریر نوٹ کرلینے میں کسی طرح کی دشواری پیش نہیں آتی،دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحبؒ

کی علالت کے بعد(۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء) سے بخاری شریف جلد اول کا درس بھی آپ سے متعلق کردیا گیا ، اس وقت آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اورصدر المدرسین ہیں ، اوقات کی پابندی اورکاموں میں انہاک آپ کے اہم قابل تقلید اوصاف ہیں''۔۲

آپ درس وتدریس کی خدمات کے علاوہ دارالافتاء میں بھی نگرانی اورفتاویٰ نویسی کا کام انجام دیتے تھے،آپ تدریسی مصروفیات کے باوجود ملک وبیرونِ ملک کے دورے کرتے رہتے تھے،اور جوحضرات دینی باتیں سننے کے مشتاق ہوتے ،ان کواپنی نوا سنجیوں سے نوازتے رہتے تھے،آپ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کوبحسن خوبی انجام دیتے ہوئے اور تصنیفی کام جاری رکھتے ہوئے ،درمیان سال میں وقتاً فوقتاً ملک وبیرون ملک کے مختصر دورے کرتے رہتے تھےاوررمضان المبارک کی طویل تعطیل میں کبھی برطانیہ،کبھی کناڈا،کبھی افریقہ اورامریکہ تشریف لے جاتے تھےایک دن میں کئی کئی تقریریں کرتے ہیں،سعادت مندسامعین کواللہ اوراس کے رسولؐ کی اطاعت ،خوف خدا وفکر آخرت اور اعمال صالحہ پرابھارتے رہتے تھے ،حرام اورمنکر باتوں سے نہایت مؤثر انداز میں باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔

آپ نے حضرت اشرف علی تھانویؒ کے مجموعۂ فتاویٰ ''امدادالفتاویٰ'' پرگرانقدر حاشیہ بھی لکھا ہے ، آپ نے درس و تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ،آپ کی بہت سی کتابیں دارالعلوم سمیت مختلف دینی مدارس میں شامل نصاب ہیں،چنانچہ موصوف کی جوتصانیف شائع ہوکرمشرق ومغرب میں پھیل چکی ہیں وہ یہ ہیں:

ہدایت القرآن ،۵؍جلدیں-تحفۃ الالمعی شرح ترمذی ،۸؍ جلدیں-تحفۃ القاری شرح بخاری ،۱۰؍جلدیں- رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ،۵؍جلدیں- حجۃ البالغہ عربی حاشیہ،۲؍جلدیں -حیات امام طحاویؒ-حیات امام ابوداؤد-محفوظات ،۳؍جلدیں -شرح علل الترمذی -الفوز الکبیر-فیض المنعم شرح مقدمہ مسلم -العون الکبیرشرح الفوز الکبیر-تحفۃ الدررشرح نخبۃ الفکر-ادلۂ کاملہ-سنت کی عظمت اور بدعت کی قباحت وغیرہ مفتی صاحب کی تصنیفی خصوصیات کے بارے میں محمد حماد کریمی ندوی لکھتے ہیں:

''جس طرح موصوف کا انداز خطابت نہایت مؤثر ،درس نہایت مقبول اورعام فہم ہوتا ہے،اسی طرح آپ کی تمام تصانیف نہایت آسان ،عام فہم اورمقبول عام وخاص ہیں،آپ کی تقریریں نہایت مبسوط اورعلمی نکات سے پر، اورتحریریں نہایت مرتب، واضح اور جامع ہوتی ہیں،اسی لئے آپ کی کئی تصانیف دارالعلوم دیوبنداوردیگرمدارس عربیہ کےنصاب درس میں داخل ہیں۔آپ کے تمام شاگرد جانتے ہیں کہ آپ کا درس کتنا مقبول ہے؟اورجن حضرات کوآپ کی تصانیف دیکھنے،اورتقاریر سننے کا موقع ملاہے، وہ جانتے ہیں کہ آپ کی تصانیف اورتقاریرکتنی پرمغز،مرتب اور جامع ہوتی ہیں؟اورآپ کے خدام جانتے ہیں کہ حضرت اقدس اپنی اوراپنے متعلقین کی کتابوں کی تصحیح وطباعت کا کتنا اہتمام فرماتے ہیں''۔۳

رواں سال بخاری شریف کا آخری درس طلبائے دارالعلوم دیوبند کے لئے بڑا کربناک اورحیرت انگیز تھا،شیخ الحدیث مفتی سعیداحمدکے سامنے بخاری شریف کی آخری احادیث کی قرأت ہوئی،شیخ الحدیث نے احادیث کے سلسلہ میں کلام کرنے کی کوشش کی توزبان ہی ساکت ہوگئی،دوچار بارورد خداوندی زبان سے نکلااسکے علاوہ زبان سے کوئی بات نہ نکل سکی اور بخاری شریف کا یہ آخری درس بغیر احادیث کی تشریح قیمتی نصائح اور اختتامی رقت آمیزدعاء کےبغیر ہی مفتی صاحب کےاس جملہ پرختم ہوا''اب جواللہ چاہے گا وہی ہوگا''۔آخری درس کی یہ کیفیت شیخ الحدیث کی کسی سنگین اورجان لیوابیماری کی طرف اشارہ کررہا تھا چندہی دنوں کے بعدعلاج کی غرض سے بمبئ تشریف لے گئے ابتدائی دنوں میں علاج ومعالجہ سے کچھ افاقہ ہوامگراندیشہ بدستور

برقرار رہا مخلصین، محبین، متعلقین اور طلباء دارالعلوم دیوبند و مسلمانان عالم اسلام شیخ الحدیث کی صحتیابی کیلئے دعاء گو ہے مگر طبیعت زیادہ ناساز ہوجانے کی وجہ سے انتہائی نگہداشت والی یونٹ میں داخل کئے گئے ،قدرت کی طرف سے جوزندگی انہیں عطاء کی گئی تھی وہ ۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ بمطابق ۱۹؍مئی ۲۰۲۰ء کو پوری ہوگئی اور بوقت صبح شیخ الحدیث مفتی سعید احمد مالک حقیقی کو پیارے ہوگئے۔

مفتی سعید احمد پالن پوری اپنے طویل تدریسی تجربہ کی بنا پراس بات کا اچھا شعور رکھتے تھے کہ درس وتدریس کی کتابوں میں طلباء کے لئے ضرورت کی کیا چیزیں ہیں ۔اپنی تصانیف و تالیفات میں مفتی صاحب نے اس بات کا پورا خیال رکھا ہے کہ جتنا طلباء ہضم کرسکتے ہیں اتنا ہی مواد شروحات میں فراہم کیا جائے ۔تفسیر،حدیث،فقہ،منطق وفلسفہ،صرف ونحو،اصول تفسیر،اصول فقہ،اصول حدیث تمام علوم وفنون کی درسی کتابوں کی شروحات لکھتے ہوئے آپ نے اسی بات کو ملحوظ رکھا ہے،یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام کتب طلباء واساتذہ کے درمیان متداول اور مقبول ہیں آپ کی تصانیف کی اہمیت وافادیت اور مقبولیت کے بارے میں مولانا عبدالرؤف قاسمی رقمطراز ہیں:

’’تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذ دامت برکاتہم سے خوب کام لیا۔آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی مشہور و معروف کتاب ’’حجۃ اللہ البالغۃ‘‘ کی شرح ’’رحمۃ اللہ الواسعۃ‘‘ کے نام سے پانچ ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی جس نے علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کرلی، یہاں تک کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۳،۱۴؍صفر ۱۴۲۵ھ نے اس کتاب سے متعلق ایک تحریری تجویز پاس کی جس میں حضرت مفتی صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے ان کو پوری جماعت کی طرف سے شکریہ وتحسین کا مستحق قرار دیا ہے۔اسی طرح آپ نے ’’تحفۃ الألمعی شرح سنن الترمذی‘‘ کے نام سے سنن ترمذی کی اردو شرح تحریر فرمائی جو آٹھ ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے،اور چونکہ اردو زبان میں ترمذی شریف کی یہ پہلی مکمل شرح ہے جس میں پوری کتاب بشمول ’’کتاب العلل‘‘و’’شمائل ترمذی‘‘ کی تشریح کی گئی ہے، اس لئے اساتذۂ کرام اور طلبۂ عزیز کے درمیان اس کی خوب پذیرائی ہوئی،’’تحفۃ الألمعی‘‘ کی تکمیل کے بعد حضرت الاستاذ نے بخاری شریف کی شرح ’’تحفۃ القاری‘‘ کے نام سے لکھی ہے‘‘۔[۴]

نصف صدی سے زائد علم وفن کے موتی لٹاتے ہوئے قرآن وحدیث اور علوم عقلیہ ونقلیہ سے لاکھوں طالبان علومِ نبوت کو سیراب کرتے ہوئے اَسّی سال کی عمر میں یہ آفتاب غروب ہوگیا اور سرزمین ممبئی آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔دنیا بھر میں پھیلے ہوئے لاکھوں شاگرد محبین ومخلصین آپ کی مغفرت اور درجات کی بلندی کیلئے دعا گو ہیں۔آپ کی خدمات جلیلہ کو اللہ رب العزت قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آپ کی گرانقدر اہم اور مفید کتابوں کو آپ کے لئے ذریعۂ نجات بنائے اور طالبان علومِ نبوت اور شائقینِ علوم وفنون کو مفتی صاحب کی کتابوں سے استفادے کی توفیق نصیب فرمائے۔

حوالہ جات

۱۔ مختصر سوانحی خاکہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری،مصنف مولانا مفتی امین صاحب،ص۳، بحوالہ مشاہیر محدثین وفقہائے کرام،ص۲۷۔۲۸

۲۔ فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات،آفتاب غازی قاسمی، عبدالحسیب قاسمی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند،ص۳۷۵

۳۔ روشن چراغ،محمد حماد کریمی ندوی،مکتبۃ الشباب العلمیہ لکھنؤ،ص۱۵۲

۴۔ حکایت مہرووفا ، مؤلف مفتی عبدالرؤف غزنوی، ناشر مکتبہ غزنوی کراچی،ص۲۰۳

آسمانِ علم کا نیّرِ تاباں غروب ہوگیا

مفتی محمد عفان منصورپوری

مشفق استاذ محترم، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز شیخ الحدیث وصدر المدرسین، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ دنیائے فانی کو الوداع کہہ کر اپنے مزاج کے مطابق شان بے نیازی کے ساتھ جوار رحمت الٰہی میں پہنچ چکے ہیں، تاریخ تھی 25 / رمضان المبارک 1441ھ بوقت چاشت بروز منگل، یہ اتفاق نہیں بلکہ نظام قدرت ہے کہ سعید روح کے پرواز ہونے کے لئے مالک دو جہاں نے اس ماہ مبارک "رمضان" کے آخری عشرے کے لمحات کا انتخاب کیا ہوا تھا، جس میں آخری سانس لینا اہل ایمان کے لئے اعلی درجہ کی سعادت وخوش بختی اور علامت قبولیت ہے، طبیعت تو پہلے بھی متعدد مرتبہ تشویشناک حد تک آپ کی خراب ہوئی لیکن اللہ پاک کے خصوصی فضل وکرم اور بے شمار چاہنے والوں کی دعاؤں کی برکت سے پھر ایسے صحت یاب ہوئے کہ معمول کے مطابق درس و تدریس وعظ ونصیحت اور فیض رسانی کا سلسلہ جاری فرما دیا، اس مرتبہ بھی حضرت الاستاذ کی طبیعت کی ناسازی کا علم ہوا تو مجھ جیسے نہ جانے کتنے شاگردوں نے دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا اور یہ امید کرتے رہے کہ انشاء اللہ چند روز میں حضرت روبصحت ہو جائیں گے اور پھر علوم ومعارف کے موتی بکھیرنے شروع کریں گے لیکن تقدیر تدبیر پر غالب آئی اور اس مرتبہ ایسا نہ ہوا چند روز کی شدید علالت کے بعد آپ غریب الوطنی کی حالت میں (جو بجائے خود مقام سعادت وشہادت ہے) عروس البلاد ممبئی کے ایک شفاخانے میں واصل بحق ہو گئے اور پھر وصیت کے مطابق مقامی قبرستان ہی میں آسودہ خواب ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت الاستاذ کے انتقال پر ملال کو دو دن گزر چکے ہیں لیکن طبیعت ایسی مغموم اور بجھی ہوئی ہے کہ نہ کچھ کہا جارہا ہے نہ لکھا جارہا ہے، یادوں کا ایک سلسلہ ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا، آپ کا مخصوص لب ولہجہ، خوبصورت ومنفرد اور دلنشیں انداز بیان، جاذب نظر خط اور تحریر، ہر چیز کو بہت اہتمام اور اہمیت کے ساتھ ذکر کرنا، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی عام فہم تشریح، اردو و عربی قواعد ومحاورات کی بہترین وضاحت اور اس طرح کی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو ذہن ودماغ میں ایسی نقش ہو چکی ہیں کہ مٹائے نہیں مٹ سکتیں۔

بلاشبہ آپ ایک قابل فخر، صاحب طرز، کہنہ مشق، طلبہ کی نفسیات کو سمجھنے والے ایک کامل استاذ تھے، خوش نصیب ہیں وہ تمام حضرات جن کو حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع میسر ہوا۔

آپ صرف استاذ نہیں بلکہ استاذ گر تھے، آپ سے پڑھنے والا پڑھانا سیکھ جاتا تھا، نہ جانے کتنے شاگردوں نے آپ کے اسلوب کو اخذ کر کے اپنی تدریس کے انداز میں نکھار پیدا کیا ہوگا، بھرپور توجہ کے ساتھ تمام طلبہ پر نگاہ رکھتے ہوئے ایسی سبک رفتاری سے کلام فرماتے کہ لکھنے والا بآسانی آپ کی تقریر کو قلم بند کر لیتا اور ہر طالب علم گوش برآواز ہوتا، امثلہ ونظائر کے ذریعہ مسئلہ کو سمجھاتے اور درمیان میں ایسے لطائف بھی سناتے یا ایسے جملے بولتے جس سے مجلس درس زعفران زار ہو جاتی اور نئی تازگی محسوس ہوتی، سبق میں شروع سے اخیر تک دلچسپی ایسی برقرار رہتی کہ مجال ہے کہ کوئی طالب علم غافل ہو جائے یا بے توجہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ہم نے بھی سنن ترمذی کے تقریباً تمام دروس بالاستیعاب ضبط کئے پھر تکرار کے موقع پر اور بعد میں تدریس کے

وقت کاپی پر ایک نگاہ ڈالنے سے غیر معمولی فائدہ محسوس ہوا۔

تفہیم کے تو آپ بادشاہ تھے، پیچیدہ سے پیچیدہ مباحث کو دلنشیں پیرایہ میں اس طرح پیش کرنا کہ غبی سے غبی طالب علم بھی مطمئن ہوجائے خدا کی طرف سے عطا کردہ آپ کا وہ امتیاز تھا جس کا ہر شخص قائل اور معترف ہے۔

ہمیں حضرت الاستاذ سے سنن ترمذی اور شرح معانی الآثار پڑھنے کا موقع ملا، صبح کے تیسرے گھنٹے میں اور مغرب کے بعد آپ کا درس ہوتا تھا، محلّہ بیرون کوٹلہ میں جو دارالعلوم سے خاصے فاصلہ پر واقع ہے آپ کا مکان تھا وہاں سے پیدل بڑی پابندی کے ساتھ بروقت درس میں تشریف لایا کرتے تھے اور شروع ہی میں طلبہ کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ میرے آنے کے بعد کسی طالب علم کا درس گاہ میں آنا جرم ہوگا، چنانچہ طلبہ اس کا بھرپور خیال بھی کرتے اور آپ کے آنے سے پہلے درس گاہ کھچا کھچ بھر جاتی، اگر کبھی اتفاق سے آپ تشریف لائے اور طلبہ کی تعداد کم محسوس ہوئی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے اور خاص طور سے ترجمان سے جواب طلب فرماتے، یہ مرحلہ طلبہ کے لئے بڑی تشویش اور فکر کا باعث بن جاتا تھا، عصر کی نماز کے بعد طلبہ ڈرتے ڈرتے آپ کے گھر مجلس میں حاضر ہوتے غلطی پر نادم ہوتے، معافی طلب کرتے، آئندہ پابندی کے ساتھ حاضری کا عہد کرتے تو دو چار تنبیہی جملے کہہ کر معاف فرما دیتے اور اگلے وقت تشریف لے آتے، آپ کے اس عمل کا یہ اثر ہوتا کہ پھر طلبہ وقت سے پہلے درس گاہ میں موجود دکھائی دیتے۔

ہمارے سال بھی ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا ہم لوگ عصر کے بعد حاضر خدمت ہوئے، معافی مانگی فرمانے لگے کہ تم لوگ کیوں آئے، تمہاری وجہ سے میں واپس تھوڑا ہی آیا تھا، جاؤ ان ہی طلبہ کو بھیجو جو درس گاہ میں موجود نہیں تھے، احساس تو ان کو ہونا چاہئے، چنانچہ پھر طلبہ کی ایک بڑی جماعت حاضر ہوئی حضرت اولاً ناراض ہوئے، فرمایا میں اتنی دور سے تیاری کرکے محنت کرکے سبق پڑھانے جاتا ہوں اور تم لوگ غائب رہتے ہو پھر اسباق میں پابندی سے حاضری کی تاکید فرمائی، اس کے فوائد و برکات بتائے اور پھر شفقت فرماتے ہوئے معاف فرمایا اور اگلے دن سلسلہ درس کا آغاز فرمادیا۔

ابتدائے سال میں مبادیات حدیث، علوم حدیث، مقام سنن ترمذی اور امام ترمذی کی مخصوص اصطلاحات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے جو کئی کئی روز تک مسلسل جاری رہتی۔

آپ کے سبق میں عبارت خوانی کا مرحلہ بھی بڑا اہم ہوتا تھا، ہر طالب علم اس کی ہمت نہیں کرپاتا تھا، آپ باقاعدہ گھر بلا کر عبارت خوانی کے خواہشمند طلبہ کا امتحان لیتے اور پھر چند طلبہ کو سال بھر عبارت خوانی کے لئے متعین فرمادیتے، اطمینان کے ساتھ صاف صاف، متوسط آواز میں، صحیح عبارت پڑھنے کی تاکید فرماتے، آواز تھوڑی بھی تیز ہوتی تو حضرت کو ناگوار گزرتی، ٹوکتے اور فرماتے مائک دور کرکے پڑھو، اعراب کی غلطیاں اگر آنے لگتیں تو عبارت خواں تبدیل فرمادیتے یا خود پڑھنا شروع فرمادیتے، اس لئے طلبہ بھرپور تیاری کرکے ہی سامنے آتے تھے۔

ہمیں بھی الحمدللہ کتاب کے معتد بہ حصہ کی عبارت پڑھنے کا موقع ملا ایک دفعہ پڑھتے ہوئے بار بار گلا صاف کرنے کے لئے کھنکھارنے کی نوبت آئی تو مجھے مخاطب کرکے فرمانے لگے: سنو! سب طلبہ متوجہ ہوگئے تو ارشاد فرمایا کل سے چمچہ لے کر آیا کرو اور جہاں آواز پھنسنے لگے میں چلا لیا کرو، سب ہنسنے لگے حضرت بھی متبسم ہوئے اور فرمایا چلو آگے پڑھو۔

مغرب کے بعد تشریف لاتے تو باضابطہ سبق کا آغاز کرنے سے پہلے حفظ احادیث کی غرض سے ایک مختصر حدیث لکھواتے اور تین مرتبہ اس کو اجتماعی طور پر کہلواتے۔

شروع سال سے اخیر تک آپ کا انداز تدریس بالکل یکساں رہتا اواخر سال میں بھی اسی بسط و تفصیل کے ساتھ اطمینان سے پڑھاتے رہتے جس انداز سے شروع میں پڑھاتے، سب

کے اسباق بند ہوجاتے اور آپ کے اسباق کا سلسلہ امتحان کے قریب تک جاری رہتا، کتاب کی تکمیل کے موقع پر آپ کی الوداعی نصیحت بھی بہت اہم ہوتی تھی جس کا طلبہ کو اشتیاق رہتا تھا اور جب آپ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تھے تو طلبہ کی روتے روتے یہ سوچ کر ہچکیاں بندھ جاتی تھیں کہ اب حضرت کی مجلس درس میں حاضری کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔طلبہ کے درمیان مقبول ترین اساتذہ میں آپ کا شمار تھا، آپ کے شخصی رعب، علمی مقام اور وجاہت کی وجہ سے طلبہ اگرچہ آپ سے بے تکلفانہ گفتگو نہیں کر پاتے تھے لیکن دل سے محبت اور قدر بہت کرتے تھے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ حضرت الاستاذ نے یہ علمی تفوق، رفعت مقام، اور لوگوں کے دلوں پر دھاک کسی بیساکھی کے ذریعہ حاصل نہیں کی بلکہ اس کے پیچھے صرف اور صرف اللہ کا فضل وکرم اور حضرت کی مقصد کے تئیں جفاکشی، وقت کا صحیح استعمال اور بے پناہ محنت وجدوجہد ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ دور طالب علمی سے لے کر زمانہ تدریس تک کیسے کٹھن اور صبر آزما حالات کا آپ نے خندہ پیشانی اور جذبہ شکر کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن اپنی علمی سرگرمیوں پر آنچ نہ آنے دی یہ رتبہ بلند اور علمی دنیا میں آپ کا سکہ اسی جہد مسلسل اور قربانی کا نتیجہ ہے۔

حضرت الاستاذ سے پڑھنے کا موقع تو ہمیں دورہ حدیث میں ملا لیکن شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد ہی سے ہم نے حضرت الاستاذ کا نام سنا کیونکہ محلّہ بیرون کوٹلہ میں جہاں آپ کی رہائش تھی اسی کے پڑوس میں حضرت والد محترم دامت برکاتہم کے ساتھ ہم لوگوں کی بھی سکونت تھی، کچھ بڑے ہوئے تو بعد عصر آپ کی مجلس میں حاضری کا بھی موقع ملنے لگا، پھر تو قرب وتعلق اور عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔

کتابیں اور علمی اشتغال آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا، مزاج میں یکسوئی اور زندگی میں انتہائی سادگی تھی، شہر میں زیادہ لوگوں سے آپ کے راہ ورسم نہیں تھی اور علمی اشتغال کی وجہ سے آپ کے پاس اس کا موقع بھی نہیں تھا، جب بھی خدمت میں حاضری ہوتی کچھ پڑھتے ہوئے، پڑھاتے ہوئے، لکھتے ہوئے، سنتے ہوئے یا نصیحت کرتے ہوئے ملتے، عصر کے بعد عمومی مجلس ہوتی اس میں طلبہ آپ کے سر پر تیل رکھتے، کچھ پوچھتے تو آپ تسلی سے جواب مرحمت فرماتے، دیر تک خاموشی رہتی تو خود فرماتے کچھ سوال کرو خاموش کیوں بیٹھے ہو، یہاں آیا کرو تو سوال سوچ کے آیا کرو۔

فرق باطلہ کا تعاقب، مسلک حق کی ترجمانی، منکرات پر برملا نکیر اپنے موقف پر خلوص نیت کے ساتھ جماؤ یہ چیزیں آپ کے مزاج کا حصہ تھیں۔

دیوبند جانا ہوتا تو حضرت الاستاذ سے ملاقات کے لئے حاضری ہوتی، بڑی محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، اسباق کی تفصیلات معلوم کرتے دعائیں دیتے، مدرسہ کے احوال دریافت فرماتے، کوئی نئی کتاب چھپ کر آتی تو عنایت فرماتے مزید دو نسخے دیتے اور فرماتے کہ یہ مفتی سلمان کو دینا وہ اس پر ندائے شاہی میں تبصرہ لکھ دیں گے، ندائے شاہی کا بھی پابندی سے مطالعہ فرماتے رسالہ اکثر آپ کی تپائی پر دکھائی دیتا، بارہا فرمایا کہ تمہارا مضمون پڑھا اچھا تھا لکھتے رہو ایک مرتبہ فرمایا کہ تمہارا اور مفتی سلمان کا مضمون ضرور پڑھتا ہوں۔

مدرسہ عربیہ اعزاز العلوم ویٹ کے جلسہ سالانہ میں اکثر و بیشتر حضرت کی شرکت ہوتی تھی، چند سال قبل ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت اسٹیج پر تشریف فرما تھے اور آخری خطاب آپ کا ہونا تھا، حضرت مولانا قاری شوکت علی صاحب کا حکم تھا کہ تجھے بھی کچھ کہنا ہے اس کے بعد حضرت بیان فرمائیں گے، میری ہمت بالکل نہیں ہورہی تھی، میں نے عرض کیا حضرت آپ بیان فرمادیں، آپ کی موجودگی میں ہم کچھ نہیں بول سکتے، حکما فرمایا کہ بیان کرو میں بیٹھا ہوں جب تک ایسے نہیں بولو گے تو بیان کرنا کیسے آئے گا۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروھہ سے آپ کا تعلق بہت گہرا اور پرانا تھا، آپ مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی تھے اور

پچھلے چند سالوں تک مسلسل ختم بخاری کے لئے تشریف بھی لاتے، مدرسہ کے سابق مہتمم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ سے آپ کی دیرینہ رفاقت تھی جس کو آپ نے اخیر تک بخوبی نبھایا۔

چند ماہ بیشتر آپ کے صاحبزادہ گرامی کا انتقال ہوا تو مدرسہ کے ذمے داران کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی، جاتے ہوئے پوچھا کیوں آئے ہو؟ ہم نے مرحوم صاحبزادے کا تذکرہ شروع ہی کیا تھا تو فرمانے لگے "جو گیا وہ سپنا اور جو رہا وہ اپنا" اللہ کو جو منظور تھا وہ ہوگیا، بس جانے والوں کے لئے دعا کرتے رہو، پھر تعزیت کے مروجہ طریقہ کے عدم ثبوت پر گفتگو فرماتے رہے، کچھ دیر کے بعد ہم نے عرض کیا کہ حضرت کئی سال سے آپ کی تشریف آوری مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں نہیں ہوسکی ہے اس سال تشریف لے آئیں، مسکراتے ہوئے فرمانے لگے "اب اس نے موضوع بدل لیا، حالانکہ آیا تھا یہ تعزیت ہی کے لئے" پھر فرمایا کہ جلسہ کی تاریخ کے لئے رجب کے شروع میں ملنا، پھر ملاقات ہوئی تو طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے معذرت فرمالی۔

حضرت الاستاذ کی شخصیت پر لکھنے کے بہت سے پہلو ہیں جن پر لکھنے والے خوب اور بہت خوب لکھیں گے یہ تو بروقت بے ترتیب کچھ تاثراتی سطور ایک ادنی شاگرد کی طرف سے حضرت الاستاذ کے لئے خراج عقیدت کے طور پر قلمبند کردی گئی ہیں۔

اس موقعہ پر ہم استاذ مکرم کے اہل خانہ بالخصوص آپ کے برادر گرامی استاذنا حضرت مولانا مفتی محمد امین پالن پوری مدظلہ اور آپ کے جملہ صاحبزادگان واولاد واحفاد کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں اللہ پاک ہمارے حضرت کی مغفرت تامہ فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائیں آپ کی زریں وسنہری دینی خدمات کا اپنی شایان بدلہ مرحمت فرمائیں اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں

ہدایات برائے اساتذہ کرام

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

(۱) امتحان میں طلباء کو استحقاقی نمبر سے زیادہ دینا سراسر ظلم اوران کو تباہ کرنا ہے، یہ خصلت: قتلت اخیک والی حدیث کے مصداق ہے، بلکہ استحقاقی نمبر سے دو نمبر کم دیئے جائیں، تاکہ مقابلہ میں آگے نہ ہوں۔

(۲) اساتذہ جو کتاب بھی پڑھاتے ہیں پہلے وہ ان کو یاد ہونی چاہئے، ورنہ امتحان لینے کا حق نہیں رکھتے۔

(۳) بلا جھجک بڑے اساتذہ سے مشکل مقامات کے بارے میں مراجعت کرلے، بلاسمجھے طلباء کو ہرگز نہ پڑھائے۔

(۴) سارے اساتذہ کو مل کر طلباء کی اصلاح کرنی چاہئے۔

(۵) اصلاح کے لئے متقدمین کے ہی طریقے اپنائے جائیں، نئے طریقے سے اصلاح نہیں ہوتی۔

(۶) طلباء کے ذہنوں سے اقتصادیات کو ہٹائیں۔

(۷) اساتذہ کا عکس طلباء پر پڑتا ہے، لہٰذا ان کو چوکنا رہنا چاہئے کہ اساتذہ کے پاس دو دو موبائیل ہوں گے تو طلباء ضرور ایک رکھیں گے۔

(۸) اس راستہ میں تنگیاں آسکتی ہیں اس پر صبر کرے۔

(۹) اپنا ذہن قربانی کا بنایئے۔

(۱۰) ہم اساتذہ اپنا لیول نیچے لائیں، پھر طلباء بھی اپنا لیول نیچے لائیں گے۔

(۱۱) اساتذہ کی تین قسمیں ہیں: ۱) جو بلا مطالعہ درسگاہ میں آتے ہیں، اور حاشیہ پر نظر رکھ کر پڑھاتے ہیں۔ ۲) رات بھر مطالعہ کرتے ہیں اور صبح کو طلباء کے سامنے سارا استفراغ کردیتے ہیں۔ ۳) مطالعہ کرکے چھانٹ کر طلباء کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ سب سے اچھے استاذ ہیں۔

(۱۲) استاذ کو چاہیے کہ مدرسہ میں پڑے رہنے والے طلباء کو پڑھنے والے طلباء بنانے کی کوشش کرے۔

(۱۳) اساتذہ عام طور پر نحو وصرف وادب میں کمزور ہوتے ہیں، اس لئے عربی شروحات حل کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔

(۱۴) اردو شروحات دیکھ کر اگر سو سال بھی پڑھائیں تب بھی علم نہیں آئے گا۔

(۱۵) نیچے کی کتاب مطالعہ اور یاد کر کے پڑھائیں تو آگے بڑھ سکیں گے۔

(۱۶) استاذ کو پڑھنے کی نیت سے مطالعہ کرنا چاہیے، کیونکہ پڑھانے کی نیت سے اگر مطالعہ کریں گے، تب بھی علم نہیں آئے گا۔

(۱۷) آگے کی اور نیچے کی تمام کتابیں پڑھ کر پھر پڑھائیں، تو یہ پڑھنا ہے، اس سے علم آئے گا۔

(۱۸) تین چیزیں پہلے تھیں، اب نہیں ہیں: آگے کا مطالعہ کرنا۔ کسی بھی طالب علم سے عبارت پڑھوانا۔ تکرار کرنا۔

(۱۹) علماء علوم عقلیہ میں محنت کریں، کیونکہ اس میں کمی کی وجہ سے استعداد کچی ہوتی ہے۔

(۲۰) اساتذہ کو حسابات سے بھی واقف ہونا چاہیے، ورنہ سراجی نہیں پڑھا پائیں گے۔

(۲۱) سورہ علق کا دوسرا ''اقرأ'' خواندہ، یعنی علماء کیلئے ہے

(۲۲) جو علوم درس وتدریس میں نہ پڑھے ہوں، اب ان کو مکمل پڑھے۔

(۲۳) دوسرے کے قلم کے لکھے ہوئے علوم کا مطالعہ کرے

(۲۴) دوسرے اقرأ میں اشارۃ النص ہے کہ آپ کو بھی لکھنے والا بننا ہے، تاکہ یہ سلسلہ آگے چلے۔ کیونکہ جو دوسروں کی تحریر سے آپ نے فائدہ اٹھایا ہے۔ تو آپ بھی لکھئے، تاکہ آنے والے کل میں دوسرا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

(۲۵) اساتذہ درس میں جس طالب علم سے چاہیں عبارت پڑھوائیں اور کمزور طلباء کو جس جماعت کے لائق ہیں ان میں اتار دیں

(۲۶) کبھی استاذ خود ہی کوئی بات نہیں سمجھ پاتے، تو ''فوق کل ذی علم علیم'' کے تحت کسی بڑے سے پوچھ لیں۔

(۲۷) بہر حال خواندہ کے پڑھنے میں تین باتیں ہیں:

۱) پورا فن دیکھ کر پڑھائیں۔ ۲) فن کی ہر بات پوری سمجھ میں نہ آئے تو چھوڑ دیں اور آگے بڑھیں۔ ۳) تجمیع یعنی پڑھے ہوئے کو اکٹھا کریں، نوٹ کریں، خلاصہ نقل کریں، اگرچہ ہر سال کتاب پوری نہ ہو، یہی وہ کام ہے جو مصنف بناتا ہے۔

جب تجمیع نہیں کرتا اس کی مثال لنگور کی سی ہے، جو مکئی کے کھیت سے مکئی توڑتا ہوا بغل میں دبائے ہوئے آگے بڑھتا جاتا ہے، اور جب کھیت سے باہر جاتا ہے تو ایک بھی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ لہٰذا تجمیع کرنا چاہیے، اس سے لکھنے کا طریقہ تازہ ہوتا ہے۔

(۲۸) اگر پڑھنے کے زمانہ میں تکرار نہ کرایا ہو تو کیسے پڑھائے گا۔ اس کا آسان طریقہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو مضمون تفصیلی ہے اس کو سمیٹو، اور جو مضمون مختصر ہے اس کو پھیلاؤ، تو اس سے کامیابی ملے گی۔

(۲۹) اپنا اور طلباء کا فائدہ مدنظر رکھنا چاہیے۔

(۳۰) آپ متوسط ہیں تو حدیث، تفسیر و اصول حدیث پڑھانے سے کس نے روکا ہے، لہٰذا بچے منتخب کرو اور پڑھاؤ۔

(۳۱) نئی کتاب کا مطالعہ ایک ہفتہ آگے رکھو، روز کا مطالعہ نہیں کرنا چاہیے۔

(۳۲) پڑھانے کو مقصود مت بناؤ، پڑھنے کو مقصود بناؤ، پڑھتے ہوئے خود یاد کرو، اگر کہتے ہو کہ طالب علم یاد کریں گے، جواب ہے تم بھی طالب علم ہو۔

(۳۳) انسان جو جانتا ہے وہ بہت تھوڑا ہے، جو نہیں جانتا وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

(۳۴) جو علم کا بھوکا ہو، وہ اللہ کی رضا کی طرف بڑھتا ہے۔

(۳۵) مال کا بھوکا اللہ کی ناراضگی کی طرف بڑھتا ہے۔

(۳۶) حضرت سفیان ثوری کا قول ہے، کہ ایک دن ناغہ کرنے سے چالیس دن کی برکت ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ پالن پوری کی

کتاب زندگی کے کچھ اوراق

ترتیب و پیش کش: مولوی محمد سعید پالن پوری (ممبئی)

[حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی کتاب زندگی کے یہ چند واقعات ۲۶رشعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱راپریل ۲۰۲۰ء کو اپنے خاص میزبان جناب حافظ آصف صدیقی کے مکان کرشمہ اپارٹمنٹ، جوگیشوری ممبئی میں قیام کے دوران بڑے شرح صدر اور فراخ دلی کے ساتھ بیان فرمائے جنھیں ریکارڈ کرلیا گیا تھا، ہماری دعوتی تحریک کے ایک رکن، اور مفتی صاحب کے عاشق صادق مولوی محمد سعید پالنپوری نے انہیں تحریر میں منتقل کیا، ان کے شکریہ کے ساتھ قارئین ارمغان کی خدمت میں پیش ہے۔]

......شرح وقایہ کی چاروں جلدوں کا مطالعہ کر کے حل کیا اور جا کر کے حسین بخش مدرسہ میں شرح وقایہ کا امتحان دے کر ہدایہ میں داخلہ لیا، اتنی استعداد نیچے سے بنتی ہے اب یہ استعداد نہیں بنتی، اچھا اوپر جا کر مشکوۃ میں جلالین میں جا کر شوق پیدا ہوتا ہے مگر ''اب کیا ہووت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت'' کہ نیچے سے تو کچا ہے تو اوپر کیا ہونا ہے۔

سوال: اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس کی بہت سی وجہیں ہیں، ایک وجہ تو یہ ہے کہ عربی اول سے چہارم تک کچے اساتذہ ہوتے ہیں جن کو خود پڑھنا بھی نہیں آتا، ایسوں کو بٹھا دیا جاتا ہے، پہلے ہمارے طالب علمی کے زمانے میں پہلا دُھورن ہیڈ ماسٹر پڑھاتا تھا، بچوں کو کیسے لے کر چلنا ہے وہ ہیڈ ماسٹر جانتا ہے، اب نیا فارغ ہے اس کو لاکر عربی اول پڑھانے بٹھا دیا، اس کو عربی پڑھنا ہی نہیں آتا وہ کیا پڑھائے گا، ایک سبب تو یہ ہے، اساتذہ ماہر ہوتے ہیں وہ جگہ جگہ پر اجراء کراتے ہیں، اسی سے پوچھیں گے، نہیں بتائے گا تو اس کا قاعدہ یاد کرائیں گے، اب اساتذہ کو پیچھے کی چیز یاد ہی نہیں تو ایک تو سبب یہ ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ طلباء اپنے لئے نہیں پڑھتے ابا کے لئے پڑھتے ہیں اپنے لئے پڑھنے کا مسئلہ اور ہوتا ہے، ابا کے لئے پڑھنے کا مسئلہ اور ہے، میں اپنی مثال دوں، کالیڑا میں مکتب میں پڑھا، ابا کے لئے پڑھا، ابا نے داخل کرایا تھا کہ پڑھنا ہے پڑھنا ہے، پھر چھاپی لے گئے ماموں، وہاں بھی پڑھا، پھر پالن پور میں چار سال پڑھا وہ بھی ابا کے لئے پڑھا، کچھ پڑھتے نہیں تھے، ڈھونگ کرتے تھے کھیل کود کرتے تھے اور اساتذہ کو دھوکہ دیتے تھے، اساتذہ کو دھوکہ کیسے دیتے تھے، الفیہ ابن مالک شروع ہوئی، تو حضرت مولانا محمد اکبر صاحب سبق نہیں سنتے تھے، تو کیوں یاد کریں جب وہ سبق ہی نہیں سنتے تھے، یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے، لیکن پھر سبق سننے لگے تو اب اسکو یاد کرنا پڑھتا تھا۔

ہم دو ساتھی تھے، میں تھا، مولانا کے لڑکے مولوی عبدالقادر تھے، ہم دو ساتھی تھے، تو بعض مرتبہ ترجمہ پوچھنے کے لئے وہ جاتا اور ترجمہ پوچھ کر آتا تھا، بعض مرتبہ میں جاتا اور پوچھ کر آتا اور یاد کرتا تھا، چند دن میں اندازہ ہوا کہ جس دن ہم نے یاد کیا ہے پوچھ پوچھ کر، اس دن وہ سبق نہیں سنتے تھے اور جس دن ہم نے یاد نہیں کیا اس دن سبق سنتے تھے، بس ہم نے اسی وقت طے کیا کہ پریشان کرو، کیونکہ ہم اپنے لئے تو پڑھتے ہی نہیں تھے۔

مولانا بخاری صاحب تھے انہوں نے میرے ابا کو بلا کر کے کہا کہ اس کو دیوبند چھوڑ کر کے آؤ تو مجھے ابا دیوبند لے کر چلے تو پہلے پالن پور سے میٹر گیج، پھر دہلی میں گاڑی بدلی تو کوئی مولانا صاحب ملے ہوں گے ابا کو مجھے یاد نہیں، انہوں نے بات چیت میں بتایا کہ میں اس بچے کو دیوبند پڑھنے کے لئے لے کر جا رہا ہوں، انہوں نے پوچھا کیا پڑھتا ہے، تو کہا کہ شرح جامی پڑھ کر آیا ہے اور پھر دوبارہ شرح جامی پڑھے گا، تو انہوں نے کہا پھر اس کو دیوبند میں داخل مت کرو، مظاہر علوم میں داخل کرو، وہاں شرح

جامی اچھی ہوتی ہے ،تو ابا یہاں اترنے کے بجائے سہارن پور چلے آئے ،اور جو کتابیں میں پڑھ کر آیا تھا انہی میں مجھے داخل کیا، خیر وہاں بھی پڑھا، وہاں سبق میں حاضر رہنا ضروری تھا، اور باقی وقت چھٹی ہوتی تو سائیکل لے کر چلے گئے، مجھے سائیکل چلانے کا بہت شوق تھا، تو سارے سہارن پور میں گھومتا تھا سائیکل پر، پھر ہوگیا مجھے ٹائفائیڈ، اور ٹائیفائیڈ بہت خطرناک ہوگیا دو مہینے ہوگئے، اسی ٹائیفائیڈ کے زمانے میں حضرت مدنی کا انتقال ہوا، تو جب میں بے ہوش رہنے لگا تو مولوی محمد سورتی یہ میرے ساتھی ہیں ہمارے کمرہ کے شریک ہیں انہوں نے ابا کو ٹیلی گرام کیا کہ یہ صورت حال ہے، اگر اس کو زندہ دیکھنا ہو تو آجاؤ، اُدھر یہ ہوا کہ ہمارے گھر کے سامنے دو بڑے بڑے کھیت تھے اس میں گنّا تھا اور سردی کا زمانہ آرہا تھا، کولہو چلنے والے تھے اور مولوی امین اور میرے ایک بڑے بھائی تھے مولوی عبدالمجید، دونوں نے بھینسیں چراتے ہوئے کہیں آگ جلائی اور وہ آگ کھیت میں لگ گئی اور وہ دونوں کھیت جل گئے، ابا اکیلے کیا بچاتے اس کو، یہ دن بھر پریشان ہو کر رات میں گھر آئے، اور یہ ٹیلی گرام پہنچا، تو کچھ بولے نہیں کسی کو، رات بھر نیند کیا آتی، صبح گھر والوں سے کہا کہ میں سہارن پور جارہا ہوں اور وہ گنّے بچاتے بچاتے جو کپڑے کالے ہوگئے تھے وہی کپڑے پہن کر سہارن پور چل دیئے، تو دادی نے والدہ سے کہا کہ یہ حادثہ پیش آیا ہے وہ سہارن پور خواہ مخواہ نہیں جارہے ہیں، ان کو کپڑے پہنچا دو، والدہ کپڑے لے کر گئیں ایک گاؤں تھا سینڈھنی، وہاں جا کر کے روکا اور کپڑے بدلوائے، خیر وہ آئے تو میں تو بالکل بے ہوش تھا اور ڈاکٹر نے کہا، وہ سکھ ڈاکٹر تھا اس کا علاج تھا، اس نے بھی کہا اس کو گھر مت لے جاؤ یہ تو مر جائے گا، ناظم صاحب مولانا اسعد اللہ صاحب نے بھی کہا کہ اس کو گھر مت لے جاؤ۔ والد صاحب نے کہا: مر جائے تو مرنا تو ہے ہی، لے جاؤں گا میں تو گھر میں، خیر وہ مجھے لے کر چلے، سہارن پور کے طلباء نے بٹھا دیا گاڑی میں، لیکن دہلی میں ایک پلیٹ فارم سے اتر کر دوسرے پلیٹ فارم جاتے ہوئے، ابا کو تو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہیل چیئر ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا ہے، وہ مجھے چلا کر لے گئے، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں زندہ ہوں، خیر اگلی گاڑی میں بٹھایا پھر مجھ سے پوچھا کچھ کھانا ہے؟ میں نے تو دو مہینے سے کھایا نہیں تھا تو میں نے کہا ہاں کھانا ہے، وہ گئے اور پوری اور گوشت لائے اسٹیشن پر سے، میں نے خوب کھایا، پھر کہا اور کھاؤ اور دوسری مرتبہ لائے اور کھایا، پالن پور پہونچتے پہونچتے تین مرتبہ کھلایا، تو پالن پور پہونچتے پہونچتے اتنی طاقت آگئی کہ میں اسٹائل کر کے باہر نکلا تو مولانا نذیر صاحب کے پاس لے گئے، اس وقت وہ حیات تھے ان سے ملاقات ہوئی دوا وغیرہ لی، ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کو کوئی چیز کھلایئے گا مت ورنہ یہ مر جائے گا، تو ابا نے کہا کہ مر جائے گا تو لاش لے جاؤں گا، بھوکا کیوں مرے، کھا کر کیوں نہ مرے، خیر ابا نے دوا لے لی، میں گھر گیا ایک ہفتہ ہوگیا، تو اتنی طاقت آگئی کہ میں خود چلنے پھرنے لگا۔

اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا، ہمارے گھر ہوتے ہیں لمبے جس میں کوٹھی رکھ کر پارٹیشن کرتے ہیں، میں کوٹھوں کی اُس طرف چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور اِس طرف کچن تھا اس طرف ابا اور ان کی امی میری دادی آپس میں دونوں باتیں کر رہے تھے، میں یہاں سن رہا تھا، ابا نے اپنی امی سے کہا مجھے اب احمد کو پڑھانا نہیں ہے، میرا نام احمد ہے اصل، کہا اس کو پڑھانا نہیں ہے، امی نے پوچھا کیوں نہیں پڑھانا ہے، تو کہنے لگے دیکھو میں اسے چھوڑنے گیا تو اتنا خرچ آیا پھر بیمار ہوگیا تو بیماری کا اتنا خرچ آیا، پھر اس کو لایا تو اتنا خرچ آیا، میرا کھیت جل گیا اتنا نقصان ہوا، اب یہ پھر جائے گا اتنا خرچ آئے گا، پھر یہ دو مہینے کے بعد گھر آئے گا، اتنا خرچ آئے گا، پڑھا تو اس نے کچھ نہیں، یہ سب میں نے سنا۔

سوال: تو دادی اس کا کیا جواب دیتی ہیں؟

جواب: اس وقت میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے پڑھنا ہے رات بھر مجھے نیند نہیں آئی، فجر کی اذان کے وقت میں اٹھا اور والدہ کی چارپائی پر بیٹھ گیا، والدہ کی آنکھ کھلی تو کہا کیا بات ہے؟ کچھ تکلیف ہے، میں نے کہا کوئی تکلیف نہیں ہے، میرا سامان تیار کر دو، میں سہارن پور جارہا ہوں، کہنے لگیں، اسی حال میں، میں نے کہا اسی حال میں، انہوں نے سامان وغیرہ تیار کیا اور کھانا بھی،

اس وقت گاڑیوں میں کھانا نہیں ملتا تھا، کھانا لے کر چلنا پڑتا تھا اور جنتا (جنرل) میں کوئی ریزرویشن بھی نہیں ہوتا تھا ویسے ہی چلتے تھے، تو ابا کی آنکھ کھل گئی، سردیوں کا زمانہ تھا، مگر وہ اٹھے نہیں، میں جب سامان لے کر چلا اور والدہ ساتھ میں چلیں سامان لے کر، تو میں نے جاتے جاتے کہا، ابا میں سہارن پور جا رہا ہوں، تو ہاتھ نکالے اور مصافحہ کیا، میں مصافحہ کر کے والدہ کیساتھ چلا گیا، سینڈھنی تک تو والدہ گئیں اس کے بعد ماموں آ گئے مجھے چھوڑنے کے لئے، میں پالن پور پہنچا اور عالمگیر ایک ہوٹل تھا، یہ ہمارے لوگوں کا تھا، میں وہاں باہر جا کر باکھڑے پر بیٹھ گیا، پیچھے سے میری دادی نے ابا کو بہت لعنت ملامت کی، تو دوسری بس سے والد صاحب آئے، وہ بھی آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، مجھ سے کچھ بولے نہیں، جب گاڑی کا وقت ہوا، تو میں نے ایک مزدور کو بلا کر اپنا سامان اٹھوایا، والد صاحب بھی میرے ساتھ چلے، والدہ نے مجھے ڈیڑھ سو روپے دئے تھے، تو میں نے جا کر ٹکٹ لیا والد صاحب دیکھتے رہے، میں جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا، وہ کھڑے رہے، گاڑی چل گئی، وہ مجھ سے کچھ نہیں بولے، بس وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، اس کے بعد سے میں نے سائیکل کی دم بھی نہیں دیکھی، اور میں نے کتاب ہاتھ سے رکھی بھی نہیں، اسلئے اپنے لئے پڑھنے کی بات اور ہے ابا کی لئے پڑھنے کی اور ہے۔

سوال: یہ واقعہ کب کا ہے حضرت؟

جواب: یہ واقعہ شرح جامی کے سال کا ہے۔

سوال: اس وقت آپ کی عمر کتنے سال کی تھی؟

جواب: اس وقت میری عمر ۱۱/ سال کی تھی شرح جامی ۱۱/ سال میں ہی شروع ہوگئی تھی

سوال: پڑھنے آپ کب بیٹھے تھے؟

جواب: پڑھنا تو میں نے بچپن ہی سے شروع کر دیا تھا، مجھے یاد نہیں کہ میں کب بالغ ہوا، لیکن سہارن پور میں جب پڑھتا تھا اس وقت بالغ نہیں ہوا تھا۔

سوال: حضرت آپ نے حفظ کب کیا؟

جواب: حفظ کا قصہ یہ ہے، سوانح نذیر میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ یوپی کے کوئی عالم آئے تھے حضرت مولانا محمد نذیر صاحب کے پاس، مولانا نذیر صاحب نے ایک طالب علم سے کہا چند آیتیں ان کو حفظ سناؤ، تو اس کو چند آیتیں حفظ یاد ہوں گی سنا دی، تو اس پر ان مولانا نے کہا کہ آپ کے یہاں حافظ نہیں ہوتے؟ تو حضرت نے کہا کہ ناظرہ پڑھ لیں یہی غنیمت ہے یہاں حفظ کون جانتا ہے، میرے بڑے ماموں تھے مولانا ولی محمد صاحب وہ وہاں طالب علم تھے، یہ سب سوانح نذیر میں لکھا ہوا ہے کہ مولانا ولی محمد صاحب نے کہا کہ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ حفظ بھی کوئی چیز ہے قرآن پورا حفظ کر سکتے ہیں، تو ماموں پالن پور سے پڑھنا چھوڑ کر ڈابھیل چلے گئے، ان کے چھوٹے بھائی تھے مولانا حبیب الرحمٰن وہ ڈابھیل سے فارغ تھے اور ماہی میں پڑھاتے تھے، بہت جوانی میں انتقال ہوگیا، اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر گئے اور ڈابھیل میں جا کر ان کو حفظ میں بٹھایا، یہ ہماری قوم کا پہلا حافظ ہے، اس سے پہلے ہماری قوم میں کوئی حافظ نہیں تھا، انہوں وہاں حفظ کیا پھر فارغ ہوئے، اور انہوں نے ہمارے خاندان میں سب سے پہلے حج کیا، اس زمانے میں چار سو روپے میں حج ہوتا تھا، یہ چار سو روپئے انھوں نے، ان کو طالب علمی کے زمانے میں جو خرچہ ابا دیتے تھے اس میں سے بچا کر جمع کیے تھے، اور فارغ ہوتے ہی حج کا پروگرام بنایا اور پونے چار سو روپئے میں حج کر کے آ گئے اور پچیس روپئے بچا لئے، وہ بہت جید حافظ تھے اور رمضان میں ۲۴ گھنٹے میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، اور اپنی والدہ کو ایصال ثواب کرتے تھے، ان کی موت کے وقت کا قصہ ہے، قرآن بہت زور زور سے پڑھتے تھے اور بہت پڑھتے تھے خاندان والوں نے کہا ان کو روکنا چاہئے وہ رکتے نہیں تھے مانتے نہیں تھے، تو سب نے کہا ان کے بڑے بھائی مولانا ولی محمد صاحب سے کہو، ان کو استاذ کی جگہ مانتے ہیں، انہوں نے کہا بھائی قرآن مت پڑھو، انہوں نے جواب دیا کہ قرآن نہ پڑھوں، انہوں نے کہا اتنا زور سے مت پڑھو، تو انہوں کہا ٹھیک ہے، پھر آہستہ پڑھنا شروع کر دیا اور اخیر تک پڑھتے رہے، تین دن پہلے سے یہ کہنا شروع کیا، جمعہ کب ہے، گاؤں ہے وہاں جمعہ تو ہوتا

نہیں تھا، تو بتایا گیا کہ ابھی تین دن باقی ہیں، تو ساری بہنوں اور بھائیوں کو جمعہ کے دن بلالیا، جب ظہر کی اذان ہوئی، سب ظہر پڑھنے کے لئے گئے، گھر میں صرف میری والدہ اور ان کی بہن میری خالہ تھی، اور باقی سب مرد نماز پڑھنے چلے گئے، تو انہوں نے بہنوں سے کہا مجھے پیشاب کرنا ہے، پیشاب کرنے لئے کوئی انتظام تو تھا نہیں، تو دونوں بہنیں بازو سے پکڑ کر لے چلیں، دروازے پر پہنچے تو ایک دم کھڑے ہوگئے اور کہا وعلیکم السلام، وہیں کھڑے کھڑے ختم ہوگئے، پھر نمازی نماز پڑھ کر آئے تو سارا گھر خوشبو سے مہک رہا تھا، لوگوں نے کہا کہ کیا خوشبو لگائی یا جلائی ہے، انہوں نے کہا میں نے تو کچھ نہیں جلایا، وہ اللہ کے نیک بندے تھے حافظ قرآن تھے جید حافظ تھے، ان کے تین بچے تھے ایک میری اہلیہ تھی، جو سب سے بڑی لڑکی تھی اور ایک اس سے چھوٹی لڑکی وہ بھی حیات ہے اور کالیڑا میں ہے، اور ایک لڑکے تھے، ان کا انتقال ہوگیا، انہوں نے بیوی کو طلاق دیدی پھر اس بیوی کا نکاح ہوا تھا جسلینی میں مولانا نور محمد صاحب کے ساتھ، اور بچے اپنے ابا کے ساتھ رہتے تھے اور وہ ماہی میں پڑھاتے تھے، میرا رشتہ بچپن سے بڑے ماموں کی لڑکی سے ہوا تھا، انہوں نے مرنے سے پہلے والدہ سے یہ کہا کہ میرے ذہن میں یہ ہے کہ سفینہ کا رشتہ احمد (مفتی سعید احمد صاحب) سے کروں، بس اتنا ہی کہا، بات ختم ہوگئی، اب وہ بہن کے لئے بڑا مسئلہ بن گیا، اب رشتہ ٹوٹ کر میرا یہ رشتہ بن گیا، اور یہ میرے گھر آ گئیں، پھر ماموں نے بہن سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا ارادہ ہے کہ اس کا رشتہ احمد سے کروں اور اس کو حافظ بناؤں، اتفاق ایسا ہوا کہ اس کا رشتہ میرے سے ہوا، اور وہ میرے گھر آ گئیں تو میں ان سے کہتا تھا، حفظ شروع کرو، کیونکہ انہوں نے مجھ سے یہ قصہ سنایا تھا، میں نے والدہ سے تو نہیں سنا تھا، انہی سے سنا تھا تو کہنے لگیں، میں کیسے حفظ کروں گی، یہ ہے وہ ہے، جب میرے بڑے بیٹے مولوی رشید احمد کے حفظ کرنے کا وقت آیا تو میں نے اس کی والدہ سے کہا کہ تم دونوں حفظ شروع کرو، ہمت کرکے انہوں نے بھی شروع کیا اسی درمیان میں دیوبند میں تقرر ہوگیا، تو میں لڑکے کو ساتھ لے کر آیا اور گھر والی کو گھر چھوڑ آیا، درمیان میں چار سال کا وقفہ ہوا، انہوں نے چار سال پہلے حفظ کیا، اور ان کا چار سال بعد حفظ ہوا، اسکے بعد سارے لڑکوں کو حفظ کروایا، لڑکیوں کو بھی حفظ کروایا پوتوں کو، بہوؤں کو بھی حفظ کروایا، جب تک زندہ رہیں حفظ کرواتی رہیں۔

سوال: خود ہی پہلے حفظ کرلیا؟

جواب: وہ بہت قرآن پڑھتی تھیں، راشدہ بتا رہی تھی کہ شروع شروع میں جیسے جیسے کوئی پڑھتا ہے ویسے ہی خالہ رمضان میں بہت ہی قرآن پڑھا کرتی تھیں؟

سوال: اور آپ نے کب حفظ کیا؟

جواب: میرا قرآن صحیح نہیں تھا، ناظرہ بہت کچا تھا، جب میں فارغ ہوکر دارالافتاء آ گیا، ابا تو مجھ کو پہلے سے ہی پڑھوانا نہیں چاہتے تھے، لیکن میں پڑھتا رہا پڑھتا رہا اور فارغ ہوکر آیا، اب ابا کی اور بڑے ماموں کی رائے یہ ہوئی کہ اس کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پڑھنے بھیج دیں اور یہ طب پڑھے اور مولانا نذیر صاحب نے جس طرح سے کام کیا وہی یہ بھی کرے، اور دو چار پیسے کمائے اور دین کی خدمت کرے، اس طریقہ سے یہ کام کرے، میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا تھا میں یہ سمجھتا تھا کہ مولانا کی مثال شاذ مثال ہے یہ ممکن نہیں مجھے معلوم تھا کہ مولانا کے جیسا ہونا ممکن نہیں ہے، رمضان بعد مشورہ کرتے رہے کہ اس کو بھیجنا ہے اور پھر میرے متعلق بات کرتے رہے کہ رمضان کے بعد مجھے وہاں بھیجیں گے تو میں بعد رمضان تیاری میں لگا ہوا تھا، تو مجھ سے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے تو میں کہا، پڑھنے جانے کا ارادہ ہے، تو کہنے لگے دیوبند تو تم پڑھ چکے ہوں، اب کیا پڑھو گے؟ میں نے کہا کہ افتاء میں داخلہ لوں گا، اور ان کا سارا پلان فیل ہوگیا، انہوں نے کہا کہ میں خرچہ نہیں دوں گا، میں نے کہا مت دیجئے، میں تو پہلے سے طے کرچکا تھا کہ مجھے پڑھنا ہے، تو انہوں نے کہا کہ میں جنگل میں رہتا ہوں میں نے تمہیں پڑھایا اور تمہارے پیچھے بھائی بہن ہیں، ان کو کون پڑھائے گا، میرے پیچھے عبدالرحمٰن بھائی تھے جو پڑھنے کی عمر سے آگے نکل گئے تھے، اس کے بعد عبدالمجید اور مولانا امین صاحب تھے، ان دونوں کی پڑھنے کی عمر تھی، میں نے کہا کہ ان

بھائیوں کو بھی ساتھ لیکر جاؤں گا اور انہیں بھی پڑھاؤں گا، تو میں دونوں کو لیکر ہم تین بھائی چلے آئے، مولانا عبدالمجید کی حفظ پڑھنے کی عمر تو نہیں تھی، میں نے ان کو اپنے پاس سے فارسی کی چار پانچ کتابیں پڑھا دی تھیں اور مولانا امین صاحب کی حفظ کی عمر تھی میں نے انہیں حفظ کی کلاس میں ایک قاری صاحب تھے ان کے پاس بٹھایا، میں تو حافظ تھا نہیں، لیکن کبھی کبھی قرآن کھول کر سنتا تھا، بہت شاندار پڑھ رہا ہے، سنا رہا ہے، میں مطمئن تھا، ایک دن اتفاق سے ایسی سورت آئی جو مجھے یاد تھی، تو میں نے قرآن بند کر دیا اور مولانا امین پڑھتے پڑھتے ٹھپ ہوگئے، وہ میرے سامنے بیٹھتے تھے اور دیکھ کر پڑھتے تھے، تو مجھے شبہ ہوا، میں نے معلوم کیا تو کہا میں تو چار پارے حفظ کر چکا ہوں اور کچھ بھی یاد نہیں، تو میں نے مارا جتنا مار سکتا تھا اتنا مارا، میں نے سوچا مارنے سے کام نہیں چلے گا، تو اس دن سے میں نے حفظ کرنا شروع کیا اور اس کو بھی حفظ کرانا شروع کیا، اور وہ میرا افتاء کا سال تھا، پھر ہم تین بھائی گئے اور اس کے بعد ابا نے پیسے بھیجنا شروع کئے، مہینے کے پانچ روپے بھیجتے تھے، اور میں نے کاروبار شروع کیا کہ عصر بعد کتب خانہ جاتا تھا اور وہاں سے کاپیاں لاتا تھا، سولہ صفحہ کا ایک روپیہ ملتا تھا اور آٹھ آنے میرے ہوتے اور آٹھ آنے اس کے ہوتے جو میرے ساتھ ہوتا تھا دوسرا طالب علم، اس سے ہمارا گذارا بہت شاندر چلتا تھا، اس زمانہ میں پالن پور سے سہارنپور کا کرایہ ۱۹/ روپئے تھا، (مفتی امین صاحب ابھی دیوبند میں ہیں دورہ کی کتابیں پڑھاتے ہیں) میرے تو حفظ کا یہ قصہ تھا کہ مولانا امین صاحب کی وجہ سے میرا حفظ ہوگیا اور یوں ماموں کی جو خواہش تھی کہ ان کا رشتہ ان سے ہو وہ بھی ہوگیا اور میرا جوان کو حفظ کرانے کا وعدہ تھا وہ بھی ہوگیا۔

سوال: آپ کے کون سے ماموں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے؟

جواب: ان کا نام مولانا ولی محمد نام ہے، ڈابھیل کی روداد چھپی ہوئی ہے اس میں ان کا نام ہے، اصل ان کی تعلیم پالنپور میں ہوئی، وہاں ڈھنگ نہیں تھا پڑھانے کا تو وہاں سے ڈابھیل گئے۔

سوال: آپ کے دوسرے نمبر کے جو بھائی ہیں جن کا انتقال ہوگیا، ان کو فارسی پڑھائی! اور فارسی کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی پڑھائی آپ نے؟

جواب: فارسی بھی پڑھائی اور دوسری کتابیں بھی پڑھائیں اور اس کے دو سال کے بعد میں چلا آیا اور وہ پڑھتے رہے اور اشرفیہ سے فارغ بھی ہوئے۔

سوال: مولانا امین صاحب نے آپ سے کیا پڑھا؟

جواب: بہت کتابیں پڑھائیں، یہاں بھی پڑھا یا راندیر میں تھا وہاں بھی پڑھایا اور پھر وہاں سے دیوبند گئے اور کئی سال تک پڑھتے رہے، جس وقت وہ فارغ ہوئے اور میں دیوبند میں مدرس بن کر آیا تو وہ اس وقت تکمیل ادب میں تھے۔

سوال: دیوبند میں پڑھاتے ہوئے کتنے سال ہوئے؟

جواب: مجھے دیوبند میں پڑھاتے ہوئے ۴۸/ سال ہوگئے، اور ۹/ سال راندیر میں پڑھایا۔

سوال: حضرت مولانا مدنیؒ کا انتقال ہوا آپ اس وقت کہاں تھے؟

جواب: مولانا کا انتقال ہوا تو میں اس وقت مظاہر علوم میں تھا تو اس وقت مظاہر علوم میں طلبہ میں بہت شور ہوا، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو بتایا کہ مولانا مدنی صاحبؒ کا انتقال ہوگیا۔

سوال: کیا آپ کی ان سے ملاقات ہوئی؟

جواب: میں نے کئی مرتبہ دیکھا تھا پالن پور میں، اور سہارنپور میں حضرت شیخ کے پاس آتے تھے۔

سوال: حضرت ہم سب کے لئے بھی دعا کر دیجئے؟ اللہ علم میں ترقی عطا فرمائے؟ علم وعمل کا جامع بنائے؟ اور رمضان کے لئے بھی دعا کیجئے کہ صحیح طور پر رمضان گزر جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ علم میں ترقی عطا فرمائے اور اپنا مقبول بندہ بنائے مقبولیت سے نوازے اور صحیح طور رمضان گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولوی محمد جنید کاظمی (دیوبند)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں امت محمدیہ میں پیدا فرما کر بے پناہ احسان فرمایا ہے، اور خدائے رحمان نے ہمیں ایک ذمہ داری دی ہے، ہم پر ضروری ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو سچا مذہب عطا فرمایا ہے اس کو اوروں کے سامنے بھی رکھیں اور ان کو اس مذہب کی حقیقت سے آشنا کرائیں، کیونکہ یہ ہماری ایک ذمہ داری ہے، حدیث پاک میں دین اسلام کے پانچ ارکان بتلائے گئے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان کے پہلے باب میں یہ حدیث لائی ہے:

''بنی الاسلام علی خمس: شهادة ان لا اله الله وان محمد رسول الله''

اس حدیث کی تشریح میں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اکابرین کی صالح روایات کے امین، فقہاء و محدثین کی زندہ یادگار، محدث العصر، فقیہ النفس، حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں اسلام کو ایک ایسے مکان سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانچ ستونوں پر مشتمل ہے، جن میں کا پہلا ستون ''شهادة ان لا اله الله وان محمد رسول الله'' ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہاں پر دو مضمون ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں ایک نہیں ہے، دونوں الگ الگ ہیں، حدیث جبرئیل میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں کے متعلق الگ الگ سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا الگ الگ جواب دیا، معلوم ہوا کہ دونوں کی حقیقت ایک نہیں ہے، الگ الگ ہے، ایمان بیج ہے اور اسلام اس کا پیکر محسوس ہے۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ ایک ہے کلمہ طیبہ، یہ ایمان ہے، عقیدہ ہے، زبان سے بولنا ضروری ہے، دوسرا ''شهادة ان لا اله الله وان محمد رسول الله'' ہے، یہ عمل ہے، اور کلمہ طیبہ وہ عقیدہ ہے، دونوں میں فرق ہے، یہاں پر ہم لوگ فرق نہیں کرتے ہیں اور دونوں کو ایک سمجھ گئے ہیں۔ سب کے ذہنوں میں یہی بات ہے کہ دونوں ایک ہیں، حالانکہ دونوں ایک نہیں ہیں، ساری دنیا میں جو اسلام پھیلا ہے وہ عمل (دعوت) سے پھیلا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کفار کے پاس جا کر گواہی دیتے اور مخاطب کا ذہن بناتے پھر ذہن بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے، پھر وہ مشرف باسلام ہوتا۔

شہادت کا صحیح مطلب

شہادت کہتے ہیں منکرین تو حید و رسالت کے سامنے اسلام کے حق ہونے کی گواہی دینا، یعنی جو آدمی اسلام کا منکر ہے اس کے سامنے یہ کہنا کہ دیکھ بھائی اسلام ایک مذہب ہے، خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور اس کی گواہی دیتا ہوں، لہٰذا تیری کامیابی بھی اسی میں ہے، کیونکہ گواہی اسی کے سامنے دی جاتی ہے جو پہلے سے ہمارے دعویٰ کا منکر ہو، جو پہلے سے بات کو ماننے والا ہے اس کے سامنے گواہی نہیں دی جاتی، چونکہ کفار توحید و رسالت کے منکر ہیں، تو ان کے سامنے توحید و رسالت کی گواہی دینا یہ شہادت ہے۔ اور کلمہ طیبہ وہ عقیدہ ہے دونوں میں فرق ہے۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

حضرت محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں اسلام کے ارکان خمسہ بتلائے گئے ہیں، لوگوں نے ارکان اربعہ، ارکان اربعہ مشہور کر رکھا ہے، اور اس اہم رکن کلمۂ شہادت کو تو چھوڑ ہی دیا، کلمہ طیبہ اور شہادت کو ایک سمجھ گئے ہیں۔ نہ جانے یہ ارکان اربعہ کب سے شروع ہوا، فقہاء اور محدثین نے اس کی

طرف توجہ ہی نہیں دی ہے،اس رکن کو کسی نے واضح طور پر سمجھایا ہی نہیں ہے، جو بھی اس سلسلہ میں کتابیں لکھی ہیں وہ نماز ہی سے شروع کی ہیں،کسی نے اس اہم رکن کی طرف توجہ نہیں دی۔ بڑے بڑے لوگوں نے اس پر کتابیں لکھی ہیں، مگر سب نے ارکان اربعہ ہی سے ہی شروع کیا۔اسی وجہ سے آج غیر مسلموں میں دعوت دینے کا سلسلہ ہی ختم ہوگیا ہے،اسلام پھیلنا ہی کم ہوگیا ہے ہاں اگر کوئی اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر کے انٹرنیٹ وغیرہ پر اسلام کا مطالعہ کرکے ایمان لائے تو لے آئے، ورنہ ہم لوگوں سے تو یہ عمل مفقود ہو گیا ہے، دوراول میں ایسا نہیں تھا،صحابہ کفار کے پاس جاتے تھےاور جاکر اس کی دعوت دیتے تھے۔

بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں اور بے مثال کتابیں ہیں مگر صرف ارکان اربعہ ہی کو لکھا ہے،اس اہم رکن کو کسی نے واضح طور پر سمجھایا ہی نہیں ہے،اسی وجہ سے غیر مسلموں میں دعوت دینے کا سلسلہ بہت کم ہو گیا ہے ، کیونکہ لوگوں نے کلمہ طیبہ اور شہادت دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے،اگر ہمارے بڑے اس پر بھی کتابیں لکھتے اور اس رکن کو سمجھاتے تو نہ جانے ہمیں غیروں میں دعوت دینے کے کتنے طریقے معلوم ہوتے اور اسلام پھیلتا جاتا،مگر ہم اس سے محروم ہوگئے کیونکہ ہمارے بڑوں نے اس رکن پر لکھا ہی نہیں۔

لوگوں نے کلمہ طیبہ اور شہادت کو ایک سمجھ لیا،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہادت کا مطلب ہی مفقود ہو گیا اور غیر مسلموں میں دعوت دینے کا سلسلہ ہی نہیں رہا۔پھلت والے حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے اس کام کو شروع کیا ہے،مگر ابھی وہ تھوڑا ہے اس کو اور بڑھانے کی ضرورت ہے، یہ ہماری ذمہ داری ہے ہم کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور غیر مسلموں تک یہ دعوت پہنچانا چاہئے۔

اپنوں میں جو تبلیغ ہو رہی ہے وہ بھی ضروری ہے،اور غیر مسلموں میں جو دعوت دینا چاہئے وہ بھی ضروری ہے،مگر آج تبلیغ کا کام تو الحمدللہ بہت ہو رہا ہے عالمی پیمانے پر،مگر غیر مسلموں میں کام کو کرنے والے بہت کم ہیں ، کیونکہ کسی نے واضح طور پر شہادت کے مطلب کو سمجھایا ہی نہیں ہے،بس ارکان اربعہ پر ہی لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں اور اسی پر اکتفاء کئے ہوئے ہیں ۔ہمیں یہ ذمہ داری سمجھنا چاہئے کہ دعوت الگ ہے ،تبلیغ الگ ہے،دونوں میں فرق ہے، کیونکہ مسلمان توحید ورسالت کی گواہی تو دیتا ہے،مگراس کے پاس اعمال صالحہ جو ایمان کا پیکر محسوس ہے وہ موجود نہیں ہیں، لہٰذا ان تک احکام کے پہنچانے کو تبلیغ کہتے ہیں۔اور جہاں تخم (ایمان) ایمان ہی نہیں ہے، وہاں جا کر توحید و رسالت کی گواہی دینا اور اسے حقیقت اسلام سے واقف کرانا یہ دعوت ہے۔لہٰذا ہمیں غیر مسلموں سے گفتگو کے درمیان مذہبی بات چھیڑ کر انہیں سمجھانا چاہئے کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔اس طرح سے''شہادۃ ان لا الہ اللہ وان محمد رسول اللہ '' کے رکن پر عمل ہوگا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس دلنشین تشریح سے معلوم ہوا کہ ہم کس قدر غلط فہمی میں ہیں،اور اپنی اس ذمہ داری سے کس قدر بے خبر ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر نصیب فرمائے حضرت محدث کبیر مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کو، کہ حضرت والا نے ہماری بھولی ہوئی ذمہ داری کو یاد دلایا ہے اور اس اہم رکن کو سمجھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ بعض وہ باتیں بھی ہمیں سمجھا دیتے ہیں جو برسوں سے بھولی ہوئی ہوتی ہیں۔بعض متاخرین فقہاء، علم و فضل میں متقدمین سے بھی فوقیت لے جاتے ہیں اور حدیث کے صحیح پیغام کو ہمیں سمجھاتے ہیں۔ہمیں چاہئے کہ اپنے ان بڑوں کی بڑی باتوں کو چشم عقیدت سے دیکھیں اور ان پر عمل کریں۔اللہ تعالیٰ ہمارے بڑوں کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور ان کی عمروں میں برکت نصیب فرمائے، جنہوں نے ہمیں ہماری ذمہ داری سمجھائی ہے، آمین ۔ہمیں چاہئے کہ اس اہم رکن کے مطلب کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں اللہ تعالیٰ ہماری زندگی کو دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

انسانی مواخات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد جب آزادی کی لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں اور غیر مسلموں نے مل کر اس جنگ میں حصہ لیا؛ اگرچہ انگریزوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کبھی کبھی اس صورت حال میں رخنہ بھی پڑتا تھا، اور ہندو مسلم فسادات کی نوبت بھی آجاتی تھی؛ لیکن بحیثیت مجموعی ۱۹۴۷ء تک اتحاد کی یہ فضاء بڑی حد تک باقی رہی، افسوس کہ ملک کی آزادی ملک کی تقسیم کی صورت میں سامنے آئی، اور وطن عزیز دو حصوں میں بٹ گیا یہ بہت بڑا سانحہ تھا، مشہور مجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزادؒ تو آزادی پر ہندو مسلم اتحاد کو ترجیح دیتے تھے؛ لیکن ایسے محبّ وطن لوگوں کی بات چل نہیں سکی، اور کچھ جذباتی لیڈروں نے ملک کے دو ٹکڑے کر دیئے، بعد کے حالات نے بتایا کہ یہ صرف زمین کے ٹکڑوں ہی کی تقسیم نہیں تھی؛ بلکہ اس تقسیم نے دلوں کو بھی تقسیم کر کے رکھ دیا، ہندو مسلم اتحاد کا شیش محل بھی چکنا چور ہونے لگا، انسانی خون اتنی وافر مقدار میں بہا کہ اگر ان کو ایک کھائی میں ڈال دیا جاتا تو شاید سچ مچ خون کی ندی بہہ پڑتی، اور بعض جگہ سچ مچ ایسا ہوا کہ اس آبادی میں بہنے والے دریا کا پانی سرخ ہو گیا۔

اس خونریزی کے بعد محبّ وطن قائدین نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور آہستہ آہستہ یہ زخم مندمل ہونے لگا؛ لیکن اتحاد کی جو کیفیت پہلے تھی، وہ واپس نہیں آسکی، پھر فسادات کے تسلسل نے سماجی ہم آہنگی کو اور بھی نقصان پہنچایا، اور اس کے نتیجہ میں ہر ریاست ہر شہر یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی ہندو مسلم آبادی کے الگ الگ جزیرے بن گئے، ان آبادیوں کا الگ ہونا ایک مجبوری تھی؛ کیوں کہ اقلیت اکثریت کے درمیان اپنے آپ کو بجا طور پر غیر محفوظ محسوس کرنے لگی، یہ صورت حال اب تک قائم ہے، جب آبادیاں الگ ہوئیں تو تعلیمی ادارے بھی الگ ہو گئے، یہاں تک کہ ہاسپٹل اور تجارت گاہیں بھی الگ الگ ہو گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی ملاقات اور روابط کم سے کم اور محدود سے محدود تر ہوتے چلے گئے، اس کا نقصان یہ ہوا کہ جن لوگوں نے نفرت پھیلانے کو اپنی زندگی کا مقصد اور سیاسی لڑائی کا ہتھیار بنا رکھا ہے، انھیں اکثریت کے درمیان غلط فہمی پھیلانے کا موقع مل گیا، ایک طرف وہ مسلمانوں کے خلاف من گھڑت باتیں کہہ کر نفرت پھیلاتے رہے، دوسری طرف مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تعلقات اس طرح منقطع ہو گئے کہ مسلمان غلط فہمیوں کو دور نہیں کر سکے، اگر کوئی شخص آپ کی شکایت آپ کے کسی شناسا سے کرے تو وہ آپ سے اس کے بارے میں دریافت کرے گا، اس طرح اس کی غلط فہمی دور ہو جائے گی، اور اگر آپ سے اس کا کوئی رابطہ ہی نہیں ہو تو ظاہر ہے کہ آپ کے خلاف جو کچھ کہا جائے گا، وہ اس پر یقین کرتا چلا جائے گا، اس کی وجہ سے گذشتہ ۷۰؍سالوں میں نفرت کی چنگاری شعلہ؛ بلکہ اس سے بڑھ کر آتش فشاں بن چکی ہے۔

سی اے اے قانون ایک ایسا قانون ہے، جو ملک کی پیشانی پر دھبہ ہے؛ لیکن اس سے ایک خیر پیدا ہوا کہ ستر سال کے وقفہ کے بعد پھر ہندو مسلم اتحاد کی آواز پورے ملک میں گونج اُٹھی، اس کو سوائے من جانب اللہ امت مسلمہ کی مدد کے کوئی اور عنوان نہیں دیا جا سکتا، دستور کے تحفظ کی اس لڑائی میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، کمیونسٹ سب قدم سے قدم ملائے کھڑے ہو گئے ہیں، یہ ایسا خوشگوار منظر ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی تصور نہیں کیا تھا کہ انہیں اس قدر تعاون حاصل ہو سکے گا؛ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ بعض دفعہ شر سے ہی خیر پیدا فرما دیتے ہیں، غالباً گذشتہ ستر سال میں پہلی بار یہ موقع آیا ہے، اس موقع سے فائدہ اُٹھانا ملت

اسلامیہ کے لئے ایک شدید ضرورت ہے اور اگر ہم نے اس موقع کو کھو دیا تو نا معلوم پھر آئندہ یہ موقع آئے گا یا نہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو مکہ کے مہاجرین کے لئے یہ ایک اجنبی ماحول تھا، نئے لوگ، نئی فضاء، اجنبی خاندان، رسم ورواج میں بھی فرق، اور یہودیوں کی شکل میں ایک ایسا گروہ بھی یہاں موجود تھا، جو اپنے آپ کو خدا کی خاص مخلوق سمجھتا تھا اور اپنے علاوہ سبھوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ انصار کے مختلف قبائل کے درمیان اختلاف کو بھی ہوا دیتے رہتے تھے، اور مسلمانوں کی آمد کو تو وہ اپنے لئے ایک نئی آفت تصور کرتے تھے، اس صورت حال میں یہ بات بہت ضروری تھی کہ مدینہ کے اصل باشندے انصار اور مکہ سے آئے ہوئے لٹے پٹے مہاجرین کے درمیان مضبوط اتحاد قائم ہوجائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے مواخات یعنی بھائی چارے کا نظام قائم فرمایا، یعنی ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی بھائی مان لیا گیا، یہ بھائی چارہ اسلامی رشتہ اور فکری وحدت کی بنیاد پر تھا، آخر یہ بھائی چارہ اتنا مضبوط ثابت ہوا کہ نسلی رشتے بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوگئے، یہ انسانی تاریخ کا ایک بے نظیر واقعہ ہے، تاریخ انسانیت میں شاید ہی ایسی کوئی اور مثال موجود ہو

ہمارے ملک میں ہندو مسلم اتحاد کے لئے اسی طرح ''انسانی مواخات'' کی تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس بھائی چارے کی بنیاد انسانیت اور ہم وطنی ہو، کیوں کہ جیسے ماں باپ کی شرکت سے دو افراد کے درمیان نسلی بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ حقیقی یا سوتیلے بھائی سمجھے جاتے ہیں، اور جس طرح مسلمان ہونے کی بنیاد پر دو مسلمانوں کے درمیان اسلامی اخوت وجود میں آتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: المسلم أخو المسلم (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۳۱۰) یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اسی طرح اخوت کا ایک وسیع تر دائرہ بھی ہے، اور وہ ہے انسانی رشتہ کی بنیاد پر بھائی چارہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے، ارشاد ہے: إن العباد کلھم إخوة (ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۵۱۰) یعنی اللہ کے تمام بندے بھائی بھائی ہیں، اسی انسانی اخوت کی بنیاد پر انبیاء کرام جس قبیلہ میں پیدا ہوتے تھے، ان کے ایمان سے محروم ہونے کے باوجود ان کو اپنی قوم قرار دیتے ہوئے خطاب فرمایا کرتے تھے۔ (اعراف: ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵)

افسوس کہ شخصی مفادات، مسلکی وتنظیمی تحفظات اور علاقائی اور لسانی تعصّبات کی وجہ سے ہم نے اسلامی اخوت ہی کو پارہ پارہ کردیا تو انسانی اخوت کا کیا پاس ولحاظ کرتے؟ اس کو تو ہم نے قابل توجہ بھی نہیں سمجھا؛ لیکن ضرورت ہے کہ کم سے کم اب ہم اپنی ان کوتاہیوں کی تلافی کریں، اور انسانی بھائی چارہ کی اسلامی تعلیمات کو اپنے اندر زندہ کریں، اگر یہ بات مان لی جائے کہ اس ملک میں ۸۰٪ فیصد غیر مسلم اور ۲۰٪ فیصد مسلمان ہیں تو اگر ہر مسلمان چار غیر مسلم بھائیوں سے اپنے تعلقات استوار کرلے، ان کے ساتھ بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرے، ان کی مصیبتوں میں کام آئے خوشی اور غم کی تقریبات میں شریک ہو، بیماروں اور کمزوروں کی مدد کرے، جن لوگوں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے، ان کے ساتھ مل جل کر کھانا پانی کرے اور مساویانہ سلوک کرکے محبت کے دیپ جلائے تو ان شاء اللہ ایک سال کے اندر نفرت کے اندھیرے چھٹ جائیں گے، اور ملک کے حالات بدل جائیں گے؛ بشرطیکہ پورے اہتمام کے ساتھ ایک مہم بنا کر اور وقت کی ضرورت سمجھ کر منظّم طور پر اس کام کو کیا جائے، میں خاص طور پر دینی وملی تنظیموں کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کرتا ہوں کہ اس بات پر خصوصی توجہ دی جائے اور اس کو ترجیحی ایجنڈے میں شامل کیا جائے، تو ان شاء اللہ بہت جلد ہم نفرت کی جڑوں کو ختم کرسکیں گے، خدا کرے یہ درخواست اربابِ فکر ونظر کی بارگاہ میں مقبول ہو اور اللہ تعالیٰ اس ملک میں محبت ویکجہتی کی ایسی بادِ نسیم چلادے جو نفرت کے شعلوں کو بجھادے، وما ذالك على الله بعزيز۔

نسیم ہدایت کے جھونکے

محترمہ عائشہ سے ایک ملاقات

عمّارہ رضوان
جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

سیلفیا رومانو سے عائشہ بنی ایک دوشیزہ کی ایمان افروز روداد

جب پورا یوروپ کورونا وائرس کے قہر سے نبرد آزما ہے اور نقل وحرکت کے تمام وسائل بند ہیں، ایسے میں اٹلی کا ایک خصوصی طیارہ 10رمئی 2020ء کو، روم کے شیامپنو ایرپورٹ پر اترتا ہے ایرہوسٹس اور طبی عملہ کے علاوہ اس طیارے سے ایک چوبیس سالہ دوشیزہ بھی باہر آتی ہے، ایرپورٹ کے باہر میڈیا کا ایک جمّ غفیر ہے اور کیمرے ہر لمحے کو قید کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔

ایک صحافی اپنا پہلا سوال داغتا ہے" کیسی ہیں آپ؟

" میں بالکل ٹھیک ہوں، میں جسمانی اور دماغی طور پر بھی بہت مستحکم ہوں، سب کا شکریہ جو میرے ساتھ کھڑے رہے، اب میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ ایام گزارنا چاہتی ہوں"۔

دوسرا صحافی بھی بہت جوش میں مائک آگے کر دیتا ہے اور سوال ہی میں اپنی منشاء رکھ دیتا ہے: " اب آپ انتہا پسندوں کے نرغے سے نکل آئی ہیں، اپنے ملک میں، آزادی اور آزادیِ رائے والے ملک میں، اس چادر کو اتار پھینکئے"

غیر متوقع جواب سامنے آتا ہے " نہیں میں نے اسلام قبول کرلیا ہے، اسی وقت جب میں انتہاء پسندوں کی قید میں تھی، انہوں نے میرے ساتھ کوئی زور زبردستی نہیں کی، میں نے اپنی مرضی سے دین اسلام کو اپنایا ہے۔ انھوں نے تو میرے ساتھ انسانیت کا معاملہ کیا اور حسن سلوک سے پیش آئے"۔

سیلفیا رومانو جب ائرپورٹ پر اتریں تو ان کا پورا جسم مکمل طور پر اسلامی لبادے میں لپٹا ہوا تھا، بالکل ساتر، ہاتھوں پر بھی گلبس تھے، اور چہرہ بھی ماسک سے ڈھکا ہوا تھا۔

صحافیوں کے ساتھ ساتھ اٹلی کے وزیر اعظم جوزیف کونتے بھی سیلفیا رومانو کے استقبال کے لئے ایرپورٹ پر بہ نفس نفیس موجود تھے۔

سیلفیا رومانو—ایک اطالوی دوشیزہ جو گزشتہ اٹھارہ ماہ سے کینیا میں الشباب کے قید میں تھی، سیلفیا کو اس وقت الشباب نے گرفتار کیا تھا، جب وہ کینیا کے شہر مالندی سے اسّی کیلومیٹر دور شکامہ کے گاؤں میں غریبوں میں ریلیف کا کام انجام دے رہی تھیں، وہ عیسائی مشنری کے ذریعے قائم کردہ ایک یتیم خانہ میں بھی بحیثیت والینٹر اپنی خدمات انجام دے رہی تھیں، الشباب نے کینیا سے ان کو اغوا کرکے صومالیہ منتقل کردیا تھا۔

وہ اپنی روداد بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں" تقریباً ایک ماہ تک میں پیدل چلتی رہی، منزل کا کوئی پتہ نہ تھا، ہاں! کبھی کبھی موٹر سائیکل کی سواری نصیب ہوجاتی تھی، میں نے ندی نالے سب پار کیے، غیر ہموار، پتھریلی زمینوں سے بھی سابقہ پیش آیا، وہ چھ سات لوگ تھے۔ آٹھ سے دس گھنٹوں تک ہمیں پیدل چلنا پڑتا تھا"

"ان دہشت گردوں نے تو آپ کو بہت اذیّت دی ہوگی" ایک خاتون صحافی نے مطلب کا سوال پوچھا:

" قید کا پہلا مہینہ میری زندگی کا بہت سخت تھا، میں تو اپنی

زندگی سے بھی مایوس ہوچکی تھی، میں ہر وقت روتی رہتی تھی، لیکن ان لوگوں نے مجھے ذرّہ برابر بھی تکلیف نہیں پہنچائی، بہت اچھے سے پیش آتے تھے وہ لوگ ہم سے"

سیلفیا یہیں نہیں رکتیں، بلکہ بتاتی ہیں: "انھوں نے مجھے ایک بالکل الگ کمرے میں ڈال رکھا تھا، میرے کمرے میں کوئی نہیں آتا تھا، میں زمین پر پڑے ہوئے بستر پر سوتی تھی، میں نے تو ان سے کاغذ اور قلم طلب کیا، جسے انھوں نے فوراً میرے کمرے میں بھجوادیا"۔

"سننے میں تو یہ بھی آیا تھا کہ الشباب کے دہشت گردوں نے اپنے کسی انتہاپسند جاں باز سے آپ کی جبراً شادی بھی کرادی تھی" اسی خاتون صحافی کا دوسرا سوال۔

" بالکل غلط بات! شادی تو دور کی بات، انھوں نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا، وہ تو کھانا بھی اتنی احتیاط سے دیتے تھے کہ کبھی ان کا اور میرا سامنا نہ ہوجائے، ان کے چہرے ڈھکے ہوتے تھے بالکل ڈھکے ہوئے، صرف ان کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں"

میرا وقت کٹ نہیں رہا تھا، تب میں نے ان سے کچھ کتابیں طلب کیں۔انھوں نے کھانے کے ساتھ کتابوں کا ایک بنڈل بھی کمرے میں رکھ دیا، دیگر کتابوں کے ساتھ اس میں انگریزی زبان میں قرآن مجید بھی تھا، جسے میں پڑھتی رہی، اور میرا اندرون تبدیل ہوتا گیا۔کچھ مہینوں کے بعد میں نے حتمی فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے اس دین کو اپنا لینا چاہئے، جس کے بارے میں یہ قرآن تفصیل سے بتاتا ہے، یہاں تک کہ ایک روز میں نے اذان کی آواز سنی تو اس نے میرے دل کی دنیا ہی بدل دی۔

اب میں قرآن کے ساتھ نماز بھی پڑھتی ہوں، جس سے مجھے بہت سکون ملتا ہے، اور میرا نام عائشہ ہے — ام المؤمنین حضرت عائشہ —رضی اللہ عنہا— کے نام پر

سیلفیا سے عائشہ بننے پر اٹلی کی دائیں بازو کی جماعتیں بہت برہم ہیں اور اپنے غصے کا اظہار کررہی ہیں، دائیں بازو کی جماعت کی ایک اہم رہنما سائمن اینگلو نے اپنے غصے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

" کیا کسی نے سنا ہے کہ کوئی یہودی نازیوں کے قبضے میں رہا ہو اور بڑی مشقت کے بعد اس کو ان کی قید سے رہا کرایا گیا ہو، اور وہ یہودی، یہودیت ترک کرکے نازی لباس زیب تن کرکے آیا ہو اور اس کا سرکاری استقبال کیا گیا ہو"

ایک دوسرے سیاست داں ماسیمو نے اپنے فیس بک وال پر یہ تبصرہ کیا" کیا میں سیلفیا رومانو کی رہائی سے خوش ہوسکتا ہوں، ہرگز نہیں! ہمیں نہیں معلوم تھا کہ حکومت ملک میں ایک مسلم کے اضافے کے لئے چالیس لاکھ یورو کا تاوان دے رہی ہے"

اسلام قبول کرنے کے بعد عائشہ (سیلفیا رومانو) کو جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی مل رہی ہیں، 14/مئی بروز منگل وہ اپنے گھر کے صحن میں ٹہل رہی تھیں کہ ان کے گھر کے سامنے ایک دھماکہ ہوا، اور پھر ان کو فون پر یہ دھمکی دی گئی کہ یہ صرف وارننگ تھی، نتیجہ بھگتنے سے پہلے اپنا فیصلہ بدل دو۔عائشہ نے اس واقعے کی رپورٹ فوراً پولیس اسٹیشن میں درج کرادی، جس کے نتیجے میں عائشہ کے گھر کے اردگرد پولیس کی نفری تعینات کردی گئی ہے۔

عائشہ سے جب ان دھمکیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کا برملا جواب تھا"ان دھمکیوں کا ہمیں اول روز سے اندازہ تھا، اور قرآن پڑھ کر بھی ہم نے یہی سیکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آزمائشیں تو آتی ہی ہیں، میں ان دھمکیوں سے قطعاً گھبرانے والی نہیں ہوں، میں ایک عاقل بالغ لڑکی ہوں، میں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے، اور میرے ملک کا دستور بھی مجھے اپنی مرضی کا فیصلہ لینے کی آزادی دیتا ہے"۔

[ہفت روزہ دعوت دہلی، جلد:41، شمارہ:21
24 تا 30 مئی 2020]

ایک مثالی مؤمنہ داعیہ

عزیزہ رُمیزہ عُرف رَانی کا وصَال

ہماری پوری دعوتی تحریک کے لئے ایک بڑا حادثہ

مولانا محمد کلیم صدیقی

وہ ہم سب بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھیں، مگر شاید اللہ تعالیٰ کو ان سے سب سے زیادہ محبت تھی، اس لئے اس دنیا کے جیل خانے سے اپنی جود وعطا کے اس جشن شاہی ماہ مبارک میں، جس میں مخبر صادق ﷺ کی سچی خبر کے مطابق مرنے والے کا حساب بھی نہیں ہوتا، ان کو اپنی جوار رحمت میں بلالیا۔ اور واقعی وہ اس کی حق دار تھیں کہ رحمٰن ورحیم اور نیکیوں کے قدرداں رب کی طرف سے ان کا اس طرح کا اعزاز ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب صفات سے متصف فرمایا تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں موجودہ کورونا سے خطرناک طاعون کی ایک وبا نے نہ جانے کتنے انسانوں کو لقمہ اجل بنایا تھا، اس وقت ہمارے دادا حاجی ظہور اللہ صاحب، جن کا اصلاحی قریبی تعلق رأس الاحناف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے تھا، اور خود ہماری دادی صاحبہ اور خاندان کے کتنے افراد کا طاعون کی بیماری میں وصال ہوگیا تھا، اس حقیر کے والد ماجد حاجی محمد امین صاحب، جن کو پورے علاقہ کے لوگ میاں جی کہتے تھے، ان کی عمر گیارہ سال تھی، ان کے چھوٹے بھائی حافظ ذہین صاحب ان کی عمر پانچ سال تھی، اور ایک ہمشیرہ امت المعین جن کی عمر سات سال تھی، ان کو لاڈ میں مینّو کہتے تھے، پورے خاندان میں یہ تین بچے بچ پائے تھے، ہماری یہ پھوپھی بچپن سے آخری درجہ میں محتاط، پارسا، صوم وصلاۃ کی پابند تہجد گذار تھیں، لوگ ان کو پیدائشی ولی کہتے تھے۔ ہماری یہ چھوٹی ہمشیرہ رُمیزہ خاتون جن کو بچپن سے لاڈ میں خاندان کے لوگ رانی کہتے تھے، شکل وصورت میں بھی ہماری ولی صفت پھوپھی امۃ المعین عرف مینّو سے مشابہت رکھتی تھیں، اور نیکی اور صوم و صلاۃ کی پابندی میں، اور جذبہ خدمت گذاری میں بھی بالکل انہی کی طرح تھیں، اس لئے والد صاحب مرحوم ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ رانی تو دوسری مینّو ہمارے گھر پیدا ہوگئی ہے، جب سے ہوش سنبھالا تھا، نماز شروع کی تھی تو پنج وقتہ نماز کی پابندی کے ساتھ تہجد کی پابندی سے شروع کی، والدین کی، بھائی بہنوں عزیز و اقرباء کی، حتیٰ کہ گھر میں کام کرنے والی بچیوں اور خواتین کی (خاندان بڑا تھا، اور والد صاحب کو زندگی میں صرف کھانا کھلانے کا شوق تھا، کچھ مسافر، کچھ ایسے ہی لوگ، اور کھیتی کے ملازمین، اور آس پاس کے بوڑھے اور غریب لوگ الحمد للہ بڑی تعداد میں کھانا کھاتے تھے) رانی سب کی خدمت شوق سے کرتی تھیں۔ والد صاحبؒ بھی اپنے معمولات صوم وصلاۃ کے آخری درجہ کے پابند کہ شاید زندگی کے آخری ستر سالوں میں تہجد ناغہ نہیں ہوئی، بڑے زمین دار تھے، حقہ پیتے تھے، اللہ اللہ، اس خوش قسمت کے جذبہ خدمت کو سلام کہ سوتی بھی تھی تو ایسی ہوشیار کہ ابا کے بیدار ہونے کی آہٹ ہوئی تو حقہ کی چلم لے کر حقہ بھر کے تیار کر دیتی تھی،

پورے خاندان کے چھوٹے بڑے بھتیجوں بھانجوں اور گردونواح محلّہ کے لوگوں میں سب کی منظورِ نظر، کسی کی محبوب رانی بہن، کسی کی پیاری رانی خالہ، کسی کی رانی پھوپھو، اوراکثر کی رانی باجی۔

یوں تو اللہ تعالی نے ان کو عجیب وغریب خصوصیات، اور اخلاقی کمالات سے مالا مال کیا تھا، مگر کچھ امتیازی خصوصیات جو محال نہیں تو کمیاب ضرور ہیں، ان کا ہر خاص و عام کو اعتراف تھا اور آج ہمارے معاشرہ میں عنقا ہیں، اس حقیر کا خیال یہ ہے کہ ان کا سب سے بنیادی وصف اخلاص تھا، کہ جو کام بھی وہ کرتی تھیں، صرف اور صرف اللہ کے لئے کرتی تھیں، اس لئے جس سے وہ ملتی تھیں گویا اس سے دوستی گانٹھ لیتیں، اور پھر ان سے بڑا ہو یا چھوٹا، اس سے تعلق ایک سہیلی کا سا ہوتا تھا، اس حقیر کی بڑی بیٹی اسماء ذات الفوزین، جو میری دعوت کے سلسلہ میں استاذ بھی ہے، خاندان کے سارے بڑے چھوٹوں میں ان پھوپھی بھتیجی کا حال ایک جان دو قالب کا سا تھا، اسماء کو معلوم ہوتا کہ رانی پھوپھی کہیں گئی تھیں، یا کوئی رانی پھوپھی کے یہاں آیا تھا، تو کبھی ملاقات پر اور کبھی فون پر ان سے فوراً کہتی، پھوپھو سنا ہے فلاں صاحبہ آپ کے پاس آئی تھیں، وہ کہتیں ہاں اسماء آئی تھیں، اسماء کہتی بس تو آپ نے دوستی گانٹھ لی ہوگی، ایک سہیلی اور بنالی ہوگی آپ نے۔ کسی سے تعلقات قائم کر لینا اور اس سے دوستی کر لینا تو بہت سے لوگوں کو آتا ہے، مگر ایک امتیازی وصف جو اس حقیر کی قابل رشک بہن رمیزہ رانی میں تھا کہ بچپن سے آج تک ملنساری اور بے لوث محبت کی وجہ سے ایک جہان سے دوستی تعلقات اور سہیلی کا رشتہ ان کا تھا، مگر کہنے کے لئے بھی ایک نام تلاش کرنے سے نہیں ملے گا کہ تعلق قائم ہو کر کسی بات پر تعلقات ختم ہو گئے ہوں یا ان میں تکدر پیدا ہو گیا ہو، وہ بے لوث اللہ کے لئے، محبت کرتی تھیں، اور پھر اس کو نباہتی تھیں، اور دوسروں کا ان کے ساتھ کیا رویہ ہے اس کی طرف شاید ان کا خیال بھی نہیں رہتا تھا، اس لئے کہ وہ صرف اور صرف اپنے اللہ سے اپنے ہر کام کا بدلہ چاہتی تھیں۔

شادی کے لائق ہوئیں تو والد صاحب نے رواج کے خلاف پھلت کے محترم اور معتبر ترین، امیر المجاہدین حضرت شیخ ولی محمد پھلتی رفیق حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان میں، جناب حافظ عبدالولی کے سب سے چھوٹے صاحب زادے عزیزم میاں عبدالرحمٰن صاحب سلمہ سے شادی کر دی تھی، جو خود پوری بستی میں سعید اور سعادتمند ترین جوانوں میں سمجھے جاتے تھے، اور لوگ جن کو پیدائشی ولی کہتے تھے، عزیزم عبدالرحمٰن شروع ہی سے ملازمت چھوڑ کر دینی دعوتی کاموں میں اس حقیر کے ساتھ وابستہ ہیں، مالی حالات کچھ بہت زیادہ فراوانی کے نہیں رہے، مگر رانی مرحومہ کی نیت کی برکت تھی کہ اس قلیل آمدنی میں، پس انداز کر کے کتنے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ان کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ تھا، اور اس سخاوت اور لوگوں کی مدد کرنے میں وہ آخری درجہ میں مخلص تھیں، اس حقیر نے جب بھی اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان من اعطی للہ، من منع للہ، من احب للہ من ابغض للہ فقد استکمل الایمان، پڑھی یا سنی تو سب سے پہلے اس کے مصداق کے طور پر جس شخصیت کا خیال آتا وہ رانی مرحومہ تھیں، وہ واقعی اس فرمان رسالت کے مطابق کامل مومنہ تھیں۔

اپنے گھر کے ایک حصہ میں چھوٹے چھوٹے چند معمولی درجہ کے کمرے، کچن اور باتھ روم کے ساتھ بنالئے تھے کہ اس سے کرایہ کی آمدنی ہوگی اور کچھ غریب ضرورت مندوں کے لئے کرایہ کے مکان مہیا ہو جائیں گے۔ دہلی شہر کے اخراجات میں ان معمولی مکانات میں بے چارے بہت غریب لوگ ہی کرایہ پر آتے تھے، ملی لحظ سے پریشان حال لوگوں کا حال ان کو معلوم ہوتا تھا تو ان کا جذبہ رحمت بے قابو ہو جاتا جو کرایہ پہلے لیا وہ تو کسی بہانے سے واپس کر دیتی تھیں مزید بھی زیادہ تر کرایہ داروں کی مدد کرتی تھیں، زیادہ تر کرایہ داروں نے جو کرایہ دیا اس سے دوگنا ان کی ضرورتوں میں واپس کرنا ان کا معمول بن گیا تھا، اس سلسلہ میں ان کے بچے شروع ہی سے اپنی امی کو مذاق میں چڑایا کرتے تھے

کہ امی آپ نے کرایہ یہ طے کیا ہے، اب مزید کے لئے رہٹی بھی ڈال لیتی، کہ وہ ضرورت مندوں کے لئے رہٹی ڈال کر بلکہ کبھی کسی دوسرے طریقہ سے نہ جانے کس طرح قرض لے کر نظم کرنے کے لئے اپنے ممتا بھرے دل سے مجبور تھیں۔

ان کی زندگی کا ایک عجیب وغریب وصف پڑوسیوں کے ساتھ مثالی تعلقات اور ان کی خبر گیری تھا، شاہین باغ جو غیر قانونی طور پر بسائی گئی کالونی ہے، جب ابتدائی مراحل میں تھی، تب سے وہ وہاں رہ رہی تھیں، جب نہ راستے تھے اور نہ پانی کے لئے نالے اور نالیاں، یہاں رہنا واقعی ایک بڑا مجاہدہ تھا، خصوصا برسات میں تو بڑی مشکل تھی، مگر چاروں طرف کے پڑوسیوں میں سے ہر ایک سے یہ بات سنی جاسکتی تھی کہ یہ محلّہ رہائش کا ہرگز نہیں مگر ہم تو رانی باجی کی وجہ سے یہاں رہ رہے ہیں، بات کہنے میں تو معمولی ہے مگر غور کریں تو یہ بات آخری درجہ اسلام اور ایمان کی ہے کہ آج کے زمانہ میں کوئی مسلمان اپنے پڑوسیوں کے لئے ایسا پرکشش بن جائے کہ اتنے مجاہدہ اور مشقت کو پڑوسی صرف اس کے پڑوس میں رہنے کے لالچ میں برداشت کریں، ورنہ آج کل ہر پڑوسی سب سے زیادہ اگر پریشان ہے تو اپنے مسلمان پڑوسیوں سے ہے۔

کھانا کھلانا اور مہمان کی خاطر مدارات ان کی بہت پسندیدہ اور محبوب شی تھی، آج کے اس دور میں جب آدمی اپنی راحت اور آرام کو کسی طرح چھوڑنے کو تیار نہیں، مہمان کو تحفہ سمجھنا کوئی ان سے سیکھے، ہمارے اتنے بھائی بہن دہلی میں رہتے ہیں مگر سارے عزیز اقربا اور سسرالی اعزاء سب سے زیادہ ان کے یہاں رکنا پسند کرتے تھے، اس کے علاوہ نہ جانے کتنے منھ بولے رشتے دار ہر وقت ان کے گھر میں رہتے تھے۔

اس حقیر کو میرے حضرت والا کے قدموں کی برکت سے ٹوٹی پھوٹی دعوت کی آواز لگانے کی توفیق ہوئی، تو اس دعوتی پوری تحریک میں دسترخوان اسلام پر آنے والے نووارد مہمان، نومسلموں کی تربیت اور کفالت کا مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ تھا، خصوصا لڑکیوں اور خواتین کا، جو اپنا گھر بار چھوڑ کر کس طرح اپنے گھر والوں سے چھپ کر اپنا ایمان بچانے کے لئے جان کو خطرہ میں ڈال کر نکل پڑتی ہیں، ان میں بعض بعض محبت کی شادیوں میں گھر چھوڑتی ہیں، جن کا سنبھالنا اور مشکل ہے، اس کے لئے خاندان والوں کی دشمنی، پولیس تھانوں کے قانونی مسائل ہوتے ہیں، مگر سلام ہو ہماری مرحومہ بہن رانی کے عزم وحوصلے کو انہوں نے اس خطرناک ترین الاؤ کو اپنے عزم وہمت اور نبوی رحمت وشفقت سے گل وگلزار بنالیا تھا، سیکڑوں سے زیادہ نومسلم بچیوں کی وہ رانی امی تھیں، اور ان میں سے ہر ایک کا خیال یہ تھا کہ رانی نے اپنی شفقت ومحبت سے ہمارے اپنے حقیقی ماں باپ کو بھلا دیا، کتنی بچیوں کی شادیاں کروائیں، شادی کے بعد بالکل حقیقی ماں کی طرح ان کے دکھ درد میں ان کی تمام ضرورتوں کا خیال کرنا، ان کے بچے ہوئے تو ان کو پڑھانا، کسی کے بچوں کو اپنے گھر رکھ کر پڑھانا، حتی کہ اسکول اور مدرسے میں ان کا کھانا ناشتہ خود بھجوانا، غرض ہر چھوٹی بڑی ضرورت پوری کرنا، یقیناً ان سے سیکھنے کی چیز تھی، اس سلسلہ میں جو چیز بالکل شاید پوری دنیا میں اچھوتی اور رانی بہن کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے یہ ہے کہ بچیاں جن میں سے بعض اسلام کو سمجھے بغیر کسی مسلم لڑکے کی محبت میں گھر بار چھوڑ کر آگئی تھیں، ان میں سے ایک بچی بھی ایسی نہیں جس کے شعور میں اسلام اور ایمان گھٹی کی طرح نہ پلا دیا ہو، اور ایک بچی بھی ایسی نہیں کہ جس کی حرکتوں کی وجہ سے، یا بے جا مطالبوں کی وجہ سے رانی نے اس سے اپنی جان چھڑائی ہو، تعلقات ذرا کم کئے ہوں، بعض مرتبہ اس سلسلہ میں کچھ مشکلیں بھی پیش آجاتی تھیں، گھر کے لوگ کوئی کال چیک کر کے پولیس کو لے کر آجاتے، کئی بار ریوالور اور ہتھیار لے کر آئے کہ ان کو بھی ختم کریں گے جنھوں نے اپنے گھر میں ہماری بچی کو رکھا ہے، مگر اللہ میری قابل رشک بہن کا اخلاق ومحبت اور دعوتی درد کہ زیادہ تر لوگ اسلام سے مشرف ہوکر رانی کو اپنی بہن، خالہ، پھوپھی بنا کر لوٹتے، ایک بڑی تعداد خوش

قسمت نومسلموں کی ہوگی جو اس طرح مخالفت اور دشمنی میں رانی کے گھر آئے اور مشرف باسلام، اور اسلام کے اسیر ہوکر لوٹے۔

ان کے انتقال پر کئی نومسلم مہاجر بہنیں تڑپ تڑپ کر رو رہی ہیں کہ حقیقی ماں باپ کو تو رانی امی نے بھلایا تھا، اب رانی امی کو بھلانے والا کہاں سے آئے گا، یہ مہاجر بچیاں اپنے حقیقی ماں باپ سے بھی زیادہ رانی امی پر اپنا زور سمجھتی تھیں، ایک بار یہ حقیر ملنے گیا تو کسی نومسلم بچی سے فون پر بات کر رہی تھیں، وہ بچی رانی سے کہہ رہی تھی امی جی میرے دیور کی شادی ہے، میں تو بھات میں آپ سے فریج لوں گی، میرا فریج پرانا ہوگیا ہے جو آپ نے دیا تھا، روز روز خراب ہوجاتا ہے، رانی کہہ رہی تھیں ضرور میری بچی میں تمہیں فریج دوں گی۔ مگر میری لاڈو اسلام میں بھات، وات کچھ نہیں ہوتا

ارمغان اور تحریک ارمغان سے واقفیت رکھنے والے ''نسیم ہدایت کے جھونکے'' کی ٹھنڈک محسوس کرنے والے ہر خوش قسمت کو، اس خوش قسمت شہید محبت حرا شہید کی خیر القرون کو یاد دلانے والی داستان یاد ہوگی، جو عبداللہ اہیر کی بھتیجی تھی اور جس کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں اس کے باپ اور چاچا نے پٹرول چھڑک کر گڑھے میں زندہ جلا دیا تھا اور وہ جلتے جلتے اپنے باپ اور چچا کو دوزخ کی آگ سے بچ کر، اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے شہید ہوگئی تھی، یہ حرا شہید کا جذبۂ ایمانی اس حقیر کی قابل رشک بہن رُمیزہ عرف رانی کی تربیت کا ثمرہ تھا۔ وہ ہر نومسلمہ کو جذبہ ایمانی اسی طری گھٹی میں پلا دیتی تھیں، اور ماں سے زیادہ شفقت ومحبت سے اس کو دل میں اتار دیتی تھیں۔

الحمدللہ ان کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، ان سب کے لئے ان کے ارمان تھے تو صرف دین اور دین کی دعوت کے لئے قبولیت کے، اس لئے ان کو صرف دینی تعلیم دلانا ان کی معراج تھی اس حقیر سے، تمام بھائی بہنوں میں شاید وہ سب سے زیادہ وابستہ تھیں، اور اس حقیر سے اور اپنے بچوں سے کہتی تھیں کہ بھائی میاں میری امی بھی ہیں اور ابا بھی، اور ان کی چاہت ہوتی تھی کہ وہ سانس بھی لیں تو اس حقیر کی خوشی اور ایماء میں، یوں تو وہ دو سال سے مسلسل ملٹیپل مائیلوما کی بیماری سے دوچار تھیں مگر اس وقت الحمدللہ کافی اچھی طبیعت چل رہی تھی، اچانک بخار ہوا، دواؤں کے اثر سے ان کو سینہ میں انفیکشن ہوجاتا تھا، اس بار بھی آکسیجن اور خون کی کمی ہوئی، ہولی فیملی ہاسپٹل میں داخل کیا گیا، وہاں پر آج کل کے قانون کے مطابق کورونا کا ٹیسٹ بھی کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ پوزیٹیو رپورٹ آئی ہے، آئی سی یو میں دو روز داخل رہ کر، رمضان کی مبارک ساعتوں میں انھیں اس دنیا کے قید خانے سے آزادی کا پروانہ مل گیا، اور وہ مومنہ اور داعیہ اپنے رب کے جوار میں ہمیشہ کی میٹھی نیند سوگئی۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

قارئین ارمغان سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس مثالی داعیہ کیلئے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے اہتمام کے ساتھ یہ دعا ضرور کریں کہ ہماری پوری دعوتی تحریک کیلئے ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے اللہ تعالی اس کے لئے، بہت سی رانی امّیاں عطا فرمائیں، خصوصا ان کے بچوں کو ان کا نعم البدل بنائیں۔

دنیا بھر کے اکابرین ومحسنین اور محبت کرنے والے حضرات نے ان کے سانحہ وصال پر اس حقیر کی حیثیت سے کہیں زیادہ شفقت واحسان کے ساتھ جس طرح تعزیت اور تسلی کے پیغامات بھیجے، اور مرحومہ کے لئے جس طرح دعاؤں کا، اور اس صدمہ میں اہل خاندان کے ساتھ جس شفقت اور کرم فرمائی کا معاملہ فرمایا، اس بے بضاعت اور تہی دامن کے پاس اس کیلئے شکریہ کے الفاظ نہیں ہیں کہ ان کی عنایات کا شکریہ ادا کرسکوں بس اپنے کریم ورحیم رب کے حضور، اپنے خالی ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان جذبات اور پیغامات اور دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اور ہمارے پورے خاندان خصوصا مرحومہ کے بچوں کے لئے دارین کا سرمایہ بنائیں اور تمام اکابرین اور بزرگوں کے احسانات کا اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائیں۔ آمین

خراج عقیدت

ڈاکٹر ماجد دیوبندی

داعی اسلام کی پیاری بہن رانی کا غم
جن کے جانے سے ہراک سوچھا گیا رنج والم

نام تھا جن کا رُمیزہ ،کام تھا تبلیغ دیں
غیر مسلم کو بھی مسلم کر گئی تھیں بہترین

نام پر اسلام کے سب کچھ کیا اپنا نثار
چاہتا تھا یعنی ان کو کس قدر پروردگار

ماہ رمضان المبارک میں انہیں بلوا لیا
عظمتیں دیں اور شہادت کا بڑا درجہ دیا

موت آئی ایسی جس پہ زندگی کو فخر ہو
ناز ہو صبر و قناعت پر، نبی کو فخر ہو

اس قدر مہماں نوازی ،دین کا اتنا جنوں
چاہتی تھیں آنے والوں کو ملے کیسے سکوں

ان کے جانے سے اکیلا گھر اگر ویران ہے
دعوتی تحریک کا لیکن بڑا نقصان ہے

ان کے شوہر بھی ہیں جیسے اصل میں ان کا بدل
دین کے کاموں رہتے ہیں جو مصروف عمل

غیر مسلم بچیاں جو دین میں آنے لگیں
اس قدر شفقت محبت ان سے فرمانے لگیں

جیسے وہ سب جسم کا حصہ ہوں ان کی آل ہوں
سوچتی تھیں کیانہ کردوں جس سے وہ خوشحال ہوں

دین کی خاطر شہید با صفا، یعنی ''حرا''
امی رانی کا کہ جس نے خواب پورا کردیا

بیٹیاں ہیں جانے کتنی اس طرح کی کیا کہیں
دعوت حق و صداقت کا انہیں ورثہ کہیں

بھائیوں میں بہنوں میں وہ سب سے چھوٹی تھیں مگر
سب کی خوشیوں کیلئے سجدوں میں روتی تھیں مگر

غم ہے لیکن اسکی ہم گہرائی کیسے بھول جائیں
آئے گی یہ موت کی سچائی کیسے بھول جائیں

بس خدا کی ہی امانت ہے ہماری زندگی
امتحاں بھی ہے کہ یہ کیسے گزاری زندگی

کاش ہم سب دین پر، ایمان پر قائم رہیں
اور نبی کی بات پر، قرآن پر قائم رہیں

یہ دعا ہے ان کو حضرت عائشہ کا قرب ہو
حشر میں خاتونِ جنت فاطمہ کا قرب ہو

اے خدا ان کو عطا کرنا تو جنت میں مقام
ان کی نسبت سے چلے تبلیغ کا دنیا میں کام

صبر اہل خانہ کو آجائے کرتا ہوں دعا
کاش پوری ہوسکے ماجدؔ کی یہ بھی التجا

مرنا ہے سب کو مگر ہم لوگ حق پر جان دیں
آنے والی اپنی نسلوں کو نئی پہچان دیں

عبدالرب حمّاد پھلتی

تھا رُمیزہ نام جن کا، تھیں محبت کی کتاب
آپ نے روشن کیے ظلمت کدوں میں ماہتاب

آپ کے دم سے مہکتی تھیں بہاریں چارسو
آپ کی توصیف، جیسے صحنِ گلشن میں گلاب

آپ کیا رخصت ہوئیں غمگیں فضائیں ہوگئیں
آپ کے جانے سے ہے ماتم کناں ہراک باب

آپ ہمشیرہ تھیں حضرت داعیِ اسلام کی
آپ کی سیرت مثالی آپ کی صورت کتاب

آپ نے بجھتے دلوں کو علم سے روشن کیا
آپ نے پیدا کیا قلبِ ''حرا'' میں انقلاب

آپ نے بخشیں ہزاروں بیٹیوں کو عظمتیں
آپ تھیں شمعِ فروزاں، آپ نورِ آفتاب

آپ جیسی رہنمائے دین اب ہیں اور کہاں
آپ نے کرنا سکھایا ماؤں بہنوں کو حجاب

اے خدا کر مغفرت ان کی بنامِ مصطفیٰ
قبر کو پرنور کردے اور سکوں دے بے حساب

اہلِ خانہ کو مسلسل کر عطا صبر جمیل
ڈھل رہاہے سب کے دل میں رنج بن کراضطراب

آپ کی عظمت بیاں ہوکس طرح "حماد" سے
مضمحل ہے ذہن غم سے اور زباں لرزش مآب

☆ ☆ ☆

خبروں کی دنیا

News World

محمد ادریس ولی اللہی

داعی اسلام کی ہمشیرہ کے لئے تعزیتی نشست

آج بروز اتوار مورخہ ۳؍مئی ۲۰۲۰ء مطابق ۹؍رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب کی چھوٹی بہن محترمہ رُمیزہ رانی صاحبہ، زوجہ جناب عبدالرحمٰن صاحب کا دہلی میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون

ڈاکٹر محمد سلیم صدیقی صاحب نے بتایا کہ مرحومہ کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھیں اور چند روز سے دہلی کے ہولی فیملی ہوسپٹل میں زیرعلاج تھیں جہاں گزشتہ شب رات دو بجے ڈاکٹر نے انتقال کی خبر دی، مرحومہ بچپن سے بہت دیندار، متواضع، اور نہایت خلیق وملنسار تھیں نہ صرف اہل خانہ بلکہ بستی پھلت (جوان کا میکہ بھی ہے اور سسرال بھی) اور اہل تعلق میں بھی ان کی شخصیت مقبول تھی سبھی چھوٹوں بڑوں کی چہیتی رہیں بالخصوص والدین سے ان کا تعلق اور ان کی خدمت کا جذبہ ضرب المثل رہا۔

پس ماندگان میں شوہر کے علاوہ تین بیٹیاں، تین بیٹے ہیں، عبدالکریم وقاص ندوی اور عبدالرحیم عمار ندوی مدرسہ سبیل السلام دہلی میں مدرس ہیں، ملک و بیرون ملک میں حضرت داعی اسلام کے متعلقین نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی، جبکہ دہلی میں لوک ڈاون کے چلتے صرف چند افراد کی موجودگی میں مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے نماز جنازہ ادا کرائی اور دو بجے دوپہر سپرد خاک کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی نے اپنے صوتی پیغام کے ذریعہ سبھی تعزیت پیش کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ ہماری دعوتی تحریک اور مشن سے جڑے سبھی لوگوں کے لئے ان کا حادثہ وفات ناقابل تلافی ہے کیونکہ وہ ہماری مہاجر بہنوں کی تعلیم وتربیت میں پیش پیش رہتی تھیں، شہیدہ اسلام حراء نومسلمہ انہی کی تربیت یافتہ تھی، مرحومہ کے ایصال ثواب کی بھی درخواست کی۔

مفتی سعید احمد پالن پوری کی وفات پر تعزیتی جلسہ

علماء حق کے قافلہ سالار حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری کی وفات نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے بڑا خسارہ ہے، قحط الرجال کے اس دور میں ہم ایک بڑے جلیل القدر محدث، عظیم مفسر، دقیق النظر فقیہ اور ایک محقق مصنف سے محروم ہوگئے ہیں، ان تأثرات کا اظہار تعزیتی نشست میں داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے القلم ٹی، وی چینل کو آن لائن رکارڈ کرتے ہوئے کیا، مولانا نے مزید کہا کہ حضرت مفتی صاحب ہمارے دعوتی کاموں کی سرپرستی کے ساتھ پذیرائی بھی فرماتے تھے، ہمارا کوئی رفیق دعوتی کارگزاریاں ان کے سامنے رکھتا تو اطمینان کا اظہار فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے، وہ موجودہ دور کے اکابرین میں سب سے زیادہ ہماری دعوتی کاوشوں کو سراہتے تھے ان کا ہمارے درمیان سے چلے جانا بہت بڑا خسارہ ہے اللہ ہی کی ذات ہے جو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد طاہر ندوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب نے نصف صدی تک درس و تدریس سے وابستہ رہ کر کئی نسلیں تیار کی ہیں اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ ایک بڑا علمی کام وجود میں آیا ہے جو یقیناً ان کے لئے ذخیرہ آخرت ہے۔ وہ "طبت حیاوطبت میتا" کے مصداق ہیں ان کی وفات سے بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے، جو مدتوں تک محسوس کیا جاتا رہے گا، ماہنامہ ارمغان کے مدیر مولانا وصی سلیمان ندوی نے حضرت مفتی صاحب کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ کیا اور ولی اللہی علوم پر ان کی تصنیفات کا مبسوط تعارف کرایا۔

فقہی مسائل

مفتی محمد عاشق صدیقی ندوی

س: سسر اپنی بہو کے لئے محرم ہے یا نامحرم، کیا دونوں گھر میں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟

ج: سسر بہو کے لیے محرم ہے، دونوں ایک ساتھ گھر میں رہیں کوئی حرج نہیں، کھانے وغیرہ میں بھی شریک ہوسکتے ہیں، البتہ جوان بہو کا سسر کے ساتھ تنہائی میں رہنا یا بہو کا اپنے سسر کے ساتھ بے تکلفانہ رویّہ فتنے کا باعث بن سکتا ہے، اس لیے سسر کو بہو کے ساتھ تنہائی میں رہنے یا بے تکلفی سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

س: جمعہ کے روز خواتین کے لئے جمعہ کی کیا ترتیب ہو؟ جیسے گھر پر جمعہ کررہے ہیں تو کیا ان کو جماعت میں شریک کرلیں؟ پھر ان کو ظہر تو نہیں پڑھنی ہوگی؟

ج: عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، اور عام حالات میں ان کا جمعہ پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا بھی درست نہیں، وہ اپنی ظہر کی نماز ادا کریں، البتہ موجودہ حالات میں اگر شہر، اطرافِ شہر یا بڑی بستی میں کسی گھر وغیرہ میں جمعہ ہورہا ہو اور چار عاقل بالغ مردوں کی موجودگی سے جمعہ کی صحت کی شرط پائی جارہی ہو اس کے بعد گھر کی خواتین کو اس میں شریک کرلیا جائے تو ان کا جمعہ ادا ہوجائے گا اور ان کو ظہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں، جماعت میں اگر غیر محرم بھی ہوں تو عورتوں کو مکمل پردے کا اہتمام کرنا لازمی ہے۔

س: عورت کو نکاح کے فوراً بعد طلاق ہوگئی خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی صحبت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو کیا وہ عدت گزارے گی یا نہیں؟

ج: خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق ہونے کی صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی وہ عدت گذارے بغیر کسی بھی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۰/ ص ۲۹۹)

قال اللہ تعالیٰ: ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (الاحزاب، آیت: ۴۹)

س: ہم نے گھر پر ایک بکرہ پالا ہوا ہے جس کو کتے نے کاٹ لیا تھا اس کا علاج کرایا گیا، بکرا بالکل صحت منداور تندرست ہے اور کوئی بھی ظاہری عیب نظر نہیں آرہا، کیا اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

ج: ایسے بکرے کی قربانی تو درست ہے لیکن اس کا گوشت کھانے سے احتیاط کرنی چاہیے، کیونکہ کتے نے جس کو کاٹ لیا ہو اس کے زہریلے اثرات پورے جسم میں اور ہر ہر جز میں سرایت کرجاتے ہیں، اس لیے اس کا گوشت نہ کھانا چاہیے، بلکہ اسے گڑھا کھود کر کہیں دفن کردینا چاہیے۔ اور اگر زہر کا اثر ختم ہوگیا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا کہ وہ تندرست ہے تو اس کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

س: عامل لوگ تنگ کرنے والے جنات شیطانی کو جلادیتے ہیں کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟

ج: اگر اس شیطانی جن کو بھگانے کی کوئی اور شکل نہ ہو تو ضرورۃً اس کو جلا بھی سکتے ہیں، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک جن تھا جو اُن کو پریشان کرتا تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوات و کاغذ منگا کر اس پر کچھ لکھوایا اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کو گھر میں لٹکادو، جب انھوں نے لٹکایا تو ایک چیخ سنی کہ اے ابودجانہ! تو نے ہمیں جلادیا۔ امام سیوطی نے اس حدیث کو خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۴۰۱، ط: ڈابھیل، گجرات)

آخری صفحہ

دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے...

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ جو ''حضرت میاں صاحب'' کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے۔ ان کی باتیں سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

دیوبند کے قیام کے دوران ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انھوں نے فرمایا: ''کھانے کا وقت ہے، آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھالو۔''

میں ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنی سعادت مندی کے طور پر دسترخوان کو لپیٹنا شروع کردیا، تاکہ میں باہر جاکر دسترخوان جھاڑوں، حضرت میاں صاحب نے مجھے ایسا کرتے دیکھا تو حضرت میاں صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا:

''کیا کررہے ہو؟''

میں نے کہا: ''حضرت دسترخوان جھاڑنے جارہا ہوں۔''

حضرت میاں صاحب نے پوچھا: ''دسترخوان جھاڑنا آتا ہے تمہیں؟''

میں نے کہا: ''حضرت! یہ دسترخوان جھاڑنا کون سا فن یا ایسا علم ہے جس کے لئے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت پڑتی ہو، باہر جاکر جھاڑ دوں گا۔''

حضرت میاں صاحب نے فرمایا: ''اسی لئے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمھیں دسترخوان جھاڑنا نہیں آتا!۔''

میں نے کہا: ''پھر آپ سکھادیں۔''

فرمایا: ''ہاں! دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔''

پھر آپ نے اس دسترخوان کو دوبارہ کھولا، اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے، ان کو ایک طرف کیا، اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا، اُن کو ایک طرف کیا، اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرّات تھے، اُن کو ایک طرف جمع کیا۔ پھر مجھ سے فرمایا:

''دیکھو! یہ چار چیزیں ہیں۔ اور میرے یہاں ان چاروں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے۔

یہ جو بوٹیاں ہیں، ان کی فلاں جگہ ہے۔ بلی کو معلوم ہے کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں وہ آکر ان کو کھالیتی ہے

اور ان ہڈیوں کے لئے فلاں جگہ مقرر ہے۔ محلے کے کتوں کو وہ جگہ معلوم ہے، وہ آکر ان کو کھالیتے ہیں۔

اور جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں، اُن کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے، چیل کوّے آتے ہیں۔ اور وہ اِن کو اٹھا کر کھالیتے ہیں۔

اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں تو میرے گھر میں چیونٹیوں کا بل ہے، اِن کو اُس بل میں رکھ دیتا ہوں، وہ چیونٹیاں اس کو کھالیتی ہیں۔''

پھر فرمایا: ''یہ سب اللہ جل شانہ کا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیئے۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے اور اُس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

●●●●

مولانا محمّد کلیم صدیقی